فاتبعوا ملة ابراهيم حنيفا وما كان من المشركين
جد الانبیاء علیہ السلام کے تبلیغی لیل و نہار کا تحقیقی جائزہ
سیرتِ ابراہیم علیہ السلام
عمل کے آئینے میں
www.KitaboSunnat.com
تالیف
ابو سعد آصف عباس حماد
تحقیق و تخریج
غلام مصطفےٰ ظہیر امن پوری
تنقیح و تہذیب
ابو میمون محمد محفوظ سرفراز
نظر ثانی
عبداللہ سلیم
مکتبہ ثنائیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
فاتبعوا ملة ابراهيم حنيفا وما كان من المشركين
جد الانبیاء علیہ السلام کے تبلیغی لیل و نہار کا تحقیقی جائزہ
سیرۃ ابراہیم علیہ السلام
عمل کے آئینے میں
www.kitabosunnat.com
تالیف
ابو سعد آصف عباس حماد
غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری
تنقیح و تہذیب
ابو میمون محمد محفوظ سرفراز
نظر ثانی
عبد اللہ سلیم
مکتبہ ثنائیہ
بلاک ۱۹، سرگودھا 0300-6040271

نام کتاب: سیرتِ ابراہیم علیہ السلام عملِ کے آئینے میں

مؤلف: ابوسعد آصف عباس حماد

پرنٹر: عرفان افضل پریس

تعداد: ۶۰۰

طبع اول: دسمبر ۲۰۰۸ء

قیمت: /-

ملنے کے پتے

ہیثم بک کارنر، ۳۸ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ 042-7242970

نعمانی کتب خانہ، حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور

مکتبہ قدوسیہ، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فیض اللہ اکیڈمی، الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

اسلامی اکیڈمی، الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

مکتبہ اصحاب الحدیث، مچھلی منڈی، اردو بازار لاہور

مکتبہ اسلامیہ۔ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (القرآن)

جد الأنبیاء علیہ السلام کے تبلیغی لیل ونہار کا تحقیقی جائزہ

سیرتِ ابراہیم علیہ السلام

عمل کے آئینے میں

تالیف

ابو سعد آصف عباس حمّاد

تحقیق و تخریج:

فضیلۃ الشیخ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری حفظہ اللہ

تنقیح و تہذیب:

ابو میمون محمد محفوظ سرفراز

نظر ثانی:

محمد عبداللہ سلیم

فہرست مضامین

رشتۂ الفت

❁...... توحید باری تعالیٰ کے اولین علمبردار جمیع انبیاء و رسل علیہم السلام کے نام

❁...... ان کے حواری اور اعوان و انصار رضی اللہ عنہم اور جمیع ائمہ و اسلاف کے نام کہ جنھوں نے توحید باری تعالیٰ کی خاطر ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں۔

❁...... جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کے نام جہاں تعلیمی مراحل مکمل کیے اور اس میں تدریسی خدمات سرانجام دینے والے قابل صد احترام میرے اساتذہ و مشائخ کرام کے نام جنھوں نے میری تعلیم و تربیت میں نہایت اخلاص سے کام لیا

❁...... بانی جامعہ صوفی محمد عبد اللہ کے نام اور منتظمین و معاونین کے نام جو جامعہ کو کامیاب بنانے میں رضائے الٰہی کے لیے ہمیشہ سے قربانیاں دیتے آرہے ہیں

❁...... اور بزرگ والدین کے نام کہ جن کے ایمانی جذبہ نے ایک بیٹے کو دین حنیف کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے فی سبیل اللہ وقف کیا مگر خود کسب معاش میں تنہائی اور مشقت برداشت کرتے رہے اور جملہ احباب و مشائخ کے نام جنھوں نے اس تصنیف کے تمام مراحل میں ہر طرح کا ساتھ دیا۔

تأثرات محقق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ۔

أَمَّا بَعْدُ:ف

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ أَبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین کی سیرت اور لیل و نہار کا بہار آفریں اور مشکبو تذکرہ اس لائق ہے کہ بار بار پڑھا جائے اور رہ رہ کر اس سے مستنیر ہوا جائے، سچ تو یہ ہے کہ ہماری کالک، عملی تیرہ بختی اور اخلاقی زبوں حالی صرف اور صرف ان قدسی خصال، پاک نہاد و پاکباز ہستیوں کی سیرتِ طیبہ کے بار بار جام پینے سے ہی دور ہو سکتی ہے، لہٰذا ان کی سیرتِ حمیدہ سے نسلِ نو کو متعارف کرانا ازبس ضروری اور ناگزیر ہے تاکہ وہ ایمان و تیقن اور اخلاق و کردار کے راستہ پر گامزن ہو سکیں۔

اس ملی اور مذہبی ضرورت کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے برادرِ مکرم حافظ آصف عباس حفظہ اللہ تعالی نے ''سیرتِ ابراہیم علیہ السلام عمل کے آئینے میں'' کے مقدس عنوان پر قلم اٹھایا تو مجھے تحقیق و تخریج کی دعوت دی تاکہ امت کے سامنے جو مواد پیش ہو وہ سرخ سونے کی طرح خالص اور اصلی ہو، ردّ و قبول کی چھلنی سے نکل آیا ہو تو میں نے امتِ مسلمہ کی خیر خواہی اور اپنی عاقبت کو سنوارنے کی غرض سے اس امرِ مہم کو قبول کیا اور اپنی ذمہ داری ادا کی۔

کتاب ہذا میں مذکورہ تمام احادیث محدثین کے اصول و ضوابط کے مطابق ''حسن'' یا ''صحیح'' کے درجہ کی ہیں۔ میں نے اس کتاب کو بہت سی خوبیوں سے آراستہ اور ڈھیروں علمی فوائد پر مشتمل پایا، کتاب واقعی اپنا ایک اچھوتا انداز اور نرالا اسلوب رکھتی ہے، اس بگڑے ہوئے معاشرے میں کتاب ہذا تربیت و اصلاح کی ایک بہترین کڑی اور گھر گھر کی ضرورت ہے۔ (ان شاء اللہ الرحمٰن)

اللہ رب العلمین سے استدعا ہے کہ وہ محترم بھائی کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور تمام مسلمانوں کے لئے مفید بنائے۔ (آمین)

حَرَّرَہ

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

رختِ دل

سیدنا ابراہیم علیہ السلام تین چوتھائی دنیا کے مذہبی پیشوا ہیں، ہر کوئی انہیں اپنا امام مانتا ہے اور خود ان کی طرف منسوب ہونے میں فخر محسوس کرتا ہے، یہ ابدیت و سرمدیت آپ علیہ السلام کو کیسے ملی؟ اس ہمہ گیریت و جاودانیت کے اسباب کیا ہیں؟

حقیقت تو یہ ہے کہ یہی وہ راز اور معمہ ہے جس کی بنا پر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اتباع ملت ابراہیمی علیہ السلام کا حکم دیا گیا، صرف مولائے کریم کی خلت کا فخر ہی نصیب نہیں ہوا بلکہ قیامت کے در و بام تک آنے والے ہر نیک شخص کی امامت کا اعزاز بھی ملا۔

صدیاں بیت چکی ہیں لیکن ان کا تذکارِ جلیل ماند نہیں پڑا، زمانہ خواہ کتنا ہی آگے بڑھ جائے ان کو بھلایا نہیں جا سکتا،

طویل داستان سرائی سے بچتے ہوئے اگر کہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ یہ سب اخلاص اور خدا سپردگی کی برکتیں ہیں۔

﴿اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ [آل عمران: ۱۹۵]

یعنی: ”میں کسی کا عمل بھی رائیگاں نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت“

ضرورت تھی کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کے ایک ایک پہلو کو واضح کیا جاتا اور ایک ایک گوشہ سے پردہ اٹھایا جاتا۔ پھر چونکہ ہمارا دین دراصل ملت ابراہیمی علیہ السلام ہی کا تمہ اور تکملہ ہے تو اس زاویہ سے بھی کام کا ہونا بہت ضروری تھا کہ اپنے دین کی ایک ایک اصل کو آپ علیہ السلام کی زندگی سے ڈھونڈھ نکالا جاتا اور ایک ایک مسئلہ کو فقہی انداز میں مرتب کر دیا جاتا مگر افسوس کہ دیگر بہت ساری حقیقتوں کی طرح یہ حقیقت بھی ہماری آنکھ سے اوجھل رہی۔ میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس نوع کی کوئی کوشش مارکیٹ میں نہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ اس ڈھب پر کسی نے راہوار فکر کو ڈالا ہی نہیں بلا مبالغہ یہ اولیت ہمارے برادر اور رفیق کار فاضل بھائی شیخ آصف عباس صاحب کو ہے موصوف بہت ساری خوبیوں سے آراستہ اور اس معصیت زدہ دور میں اسلاف کی یاد ہیں۔

کتاب کے متعلق انہوں نے جتنی محنت، عرق ریزی، شبانہ روز کاوش اور مطالعہ کیا مجھ سے مخفی نہیں اور اثنائے مطالعہ کتاب انشاء اللہ قاری پر بھی آشکار ہو جائے گی۔ کتاب نہایت وقیع اور سیرت ابراہیم علیہ السلام کے موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں ایک خوشگوار اضافہ ہے۔ مسائل کے اخذ و استنباط کے پہلو سے تو اسے اولیت حاصل ہے اور آئندہ بفضل خدا سنگ اساس ثابت ہوگی۔

محترم بھائی کے بار بار اصرار بلکہ حکم پر اس ہیچمند نے اس حسین مرقع اور تابندہ کاوش کو بنظر غائر پڑھا اور چند مقامات پر اپنی حقیر رائے دینے کی جسارت بھی کی جو کہ حوصلہ افزائی کے طور پر قبول فرمالی گئی۔

کتاب واقعی اس فارسی شعر کی مصداق ہے

؎ عطر آں باشد کہ خود بوید
نہ کہ عطار بگوید

خداوندِ قدوس سے دعا ہے کہ اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازیں اور یوم الحساب مؤلف اور جمیع معاونین کو اجر وثواب عطا فرمائیں (آمین)

محمد عبداللہ سلیم۔ ایم۔ اے
مدرس جامعہ امام بخاری مقام حیات سرگودھا

نقشِ آغاز

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَعَلٰى مَنْ سَلَكَ سَبِيْلَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ:

اللہ رحیم وکریم نے اپنی لاریب کتاب، قرآن مجید کو جس طرح رہتی دنیا کے بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت اور کامیابی و کامرانی کے لیے فصاحت و بلاغت، وعظ و نصیحت، زجر وتوبیخ اور امثلہ و نظائر اور براہین و دلائل جیسے دلکش اسلوب کے ساتھ مزین فرمایا، اسی طرح اخبار رسل، تذکار انبیاء اور قصص المرسلین کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں تقریبا پچیس انبیاء ورسل علیہم السلام کا تذکرہ موجود ہے، جن میں سے جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ان کی سیرت اور شریعتِ مطہرہ کا بیان بڑے شرح وبسط سے مذکور ہے، جسکا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے، کہ قرآن کریم کے تئیس پاروں، پچیس سورتوں اور اڑھائی سو سے زائد آیت کریمہ میں آپ علیہ السلام کا تذکرہ پایا جاتا ہے، اسی پر بس نہیں بلکہ تقریبا پچیس صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی آپ علیہ السلام کا اسم گرامی قرآن کریم میں (۶۹ مرتبہ) درج فرمادیا گیا ہے

اس فضیلت کا اندازہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھیئے جنہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ اقدس سے فرمایا کہ اللہ تعالی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ابی بن کعب کو قرآن کریم سناؤں تو وہ پوچھنے لگے" آللہ سمانی "(کیا اللہ نے میرا نام لیا ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جی ہاں اللہ نے آپ کا نام لیا ہے تو ابی بن کعب زارو قطار رونے لگ گئے۔ [1]

---

[1] صحیح بخاری: کتاب مناقب الانصار، باب مناقب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حدیث: ۳۸۰۹، صحیح مسلم؛ کتاب الفضائل، باب من فضائل ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وجماعة من الانصار، حدیث: ۷۹۹)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام وہ عظیم المرتبت پیغمبر ہیں، کہ جن کے بارے میں قرآن کریم سے خلیل اللہ، معمار بیت اللہ، پدر ذبیح اللہ، جد الانبیاء، مقتداء و پیشوا، صدیقا نبیا، مہمان نواز، صاحب گلزار، ترجمانِ توحیدِ باری تعالیٰ اور حلیم و کریم جیسے القابِ عالیہ مترشح ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انکی جائے قیام کو جائے نماز، اندازِ توحید کو کلمہِ باقیہ اور مشرک قوم سے براءت کو اسوہ حسنہ بنایا ہے۔

اسی لیے اللہ مالک الملک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حکما فرماتے ہیں۔

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝﴾ [سورہ مریم: ۴۱]

یعنی: ”کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ بھی فرمالیا کرو کیونکہ وہ سچے نبی تھے۔“

الغرض بات صرف تذکرہ و واقعہ پر ہی موقوف نہیں، بلکہ فرمایا۔

﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾ [سورہ نحل: ۱۲۳]

یعنی: ”ہم نے آپ کی طرف یہ بات وحی کی ہے کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کے دینِ حنیف کی پیروی کریں۔“

مزید فرمایا:

﴿فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝﴾

[سورہ آل عمران: ۹۵]

گویا ملتِ ابراہیم علیہ السلام ہی ہمارے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت ہے اور آپ علیہ السلام کی شریعت و سیرت ہمارا شعار ہے اسی لیے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ﴾ [سورہ بقرہ: ۱۳۰]

یعنی ”اس ملت و دین سے انحراف محض بیوقوفی وحماقت ہے۔“

مذکورہ بالا سطور سے بجا طور پر لازم آتا ہے کہ آپ علیہ السلام کی سیرت طیبہ کو شرعی حیثیت سے دیکھا اور سمجھا جائے اور اس سے مستنبط مسائل کو عملی جامہ پہنایا جائے، اسی لیے ہم نے ”سیرتِ ابراہیم علیہ السلام عمل کے آئینے میں“ کے عنوان پر قلم اٹھا کر مبلغینِ

اسلام کی فہرست میں اپنا نام اندراج کروانا چاہا ہے، جو انشاء اللہ قرآن کریم اور صحیح احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں مسلمانوں کے لیے حسین تحفہ ہے۔

بندہ نے اس کتاب میں آپ علیہ السلام کی سیرت طیبہ سے مستنبط ان عملی مسائل کو آشکارہ کیا ہے، جنکا تقاضا آپ علیہ السلام کی سیرت ایک مسلمان سے کرتی ہے، بندہ ناچیز نے اس کتاب میں احادیث کی صحت کا مکمل خیال کرنے کے ساتھ ساتھ اکثر عربی عبارتیں ہی لکھنے کی کوشش کی ہے، ضعیف اور اسرائیلی روایات اور تاریخ سے مدد لینے سے اجتناب کیا ہے، کتاب عام فہم مگر انشاء اللہ اصلاح معاشرہ کے لیے بہترین ذخیرہ اور خطباء کے لیے دروس اور خطبات کا حسین تحفہ ہے۔

میں، فضیلۃ الشیخ جناب غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری حفظہ اللہ تعالیٰ کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے کتاب کی احادیث کی تحقیق وتخریج کی، فضیلۃ الشیخ محمد محفوظ اعوان صاحب کا ممنون ہوں، جنھوں نے کتاب کی تنقیح وتہذیب کی۔ برادرم محمد عبد اللہ سلیم صاحب کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ جنھوں نے بھرپور دلچسپی سے اس کتاب کی نظرِ ثانی کی، نیز اپنے مخلص بھائی حافظ عثمان عارف اور محمد ظہیر عباس کا بھی ممنون ہوں کہ جنھوں نے خلوص اور دلچسپی سے کتاب کی کمپوزنگ کی۔

اللہ سے دعا ہے کہ اپنے بندے کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ اسے میرے لیے میرے والدین اور اساتذہ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور ہر پڑھنے والے مسلمان کو عمل نصیب فرمائے۔ (اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ)

حررہ

ابو سعد آصف عباس حماد بن محمد یار

غفر اللہ لہ ولابویہ ولاساتذتہ۔

قرآن کریم سے سیرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک جھلک

نام سورۃ	آیت نمبر
البقرہ	260,258,141,124،
آل عمران	98,95,84,68,65,34,33
النساء	165تا163,125,55,54
الانعام	,162,91تا75
التوبہ	114,70
ہود	79 تا76
یوسف	38,6
ابراہیم	41تا35
الحجر	60تا51
النحل	123 تا120
مریم	58,50تا41
الانبیاء	73تا51
الحج	78,43,38تا26
الشعراء	89تا69,
العنکبوت	32تا16
الاحزاب	8,7
الصافات	113تا83
ص	49تا45
الشوریٰ	13

الزخرف	26تا38
الزاریات	24تا37
النجم	36تا54
الحدید	26
الممتحنہ	4تا6
الاعلی	13تا19

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لفظ ''سیرت'' کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

لفظ ''سیرت'' عربی کے مادہ ''س، ی، ر'' سے ماخوذ ہے، اس کے لغوی معانی ہیں: راستہ لینا، چل پڑنا، اختیار کرنا اور اپنانا۔ اس طرح ''سیرت'' کے لغوی معانی ہوئے حالت، کردار، چال، طرز، رویہ، خصلت اور عادت وغیرہ۔ اصطلاح میں ''سیرت'' سے مراد کسی معروف شخصیت کے حالات و واقعات، اخلاق و کردار، چال چلن، طرز عمل، رویہ اور پختہ عادت، جسے وہ راہِ زندگی پر چلتے ہوئے اختیار کرتی اور اپناتی ہے۔

لہٰذا ''سیرت ابراہیم علیہ السلام'' سے مراد آپ علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ کے گوناگوں حالات وواقعات نیز شاہراہِ زندگی میں آنے والے نشیب وفراز میں مثالی چال چلن، پیغمبرانہ اخلاق وکردار اور اس کے اَنمٹ نقوش، جملہ اوصافِ حمیدہ اور میدانِ تبلیغ میں آپ علیہ السلام کا عمدہ طرزِ عمل، حق بات پر ڈٹ جانے کی پختہ عادت، توحید کے لازوال اور اٹل نظریات، اولاد کی تربیت کرنے میں حکمت بھرا رویہ ہے، جسے آپ علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی میں اختیار کیا اور اپنائے رکھا۔

آیئے: سیرت ابراہیم علیہ السلام کی چند روشن کرنوں، اہم جھلکیوں اور سیرت کے درخشاں پہلوؤں کی ورق گردانی فرما کر عملی جامہ پہنائیں۔

ملک عراق کے شہر بابل پر نمرود کا تسلط پورے زوروں پر تھا، نمرود کا مشیر اعلیٰ آزر بن ناحور [1] نہ صرف صنم پرست تھا بلکہ بت تراش اور بت فروش بھی تھا اور بت

---

[1] آپ علیہ السلام کے والد کے نام کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: (1) تارخ نام اور آزر لقب تھا، کلیدائی زبان میں آدر پجاری کو کہتے ہیں اور یہ بہت بڑا بت پجاری تھا، اسی لئے اس کا لقب آدر اور عربی میں آزر رکھا گیا۔ (2) آزر نام تھا، تارخ لقب تھا۔ (3) آپ علیہ السلام کے چچا کا نام آزر تھا جو کہ آپ علیہ السلام کی کفالت کرتا تھا، اس لئے اس کی طرف آپ علیہ السلام کو منسوب کیا گیا۔ بہر حال راجح مسلک قرآن کریم کا ظاہر ہی ہے کہ آپ علیہ السلام کے باپ کا نام آزر تھا۔

فروشی ہی اس کا ذریعہ معاش تھا، بالفاظ دیگر قوم نمرود کے معبود اسی کے گھر میں پیکرِ وجود پاتے اور پھر نا سمجھ قوم انہیں چند ٹکوں کے عوض اپنی مشکل کشائی کیلئے خرید لیتی ہے۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس بت گر کے اپنے گھر میں ایک بت شکن کی پیدائش ہوئی، جسے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ [1] آپ علیہ السلام بچپن کی منازل طے کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے گردوپیش کے ماحول کا بہت گہری نظر سے جائزہ لے رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مرحلۂ زندگی کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

﴿كَذَالِكَ نُرِيَ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۝﴾ [سورہ انعام: ۷۵]

چنانچہ اللہ ذوالجلال والاکرام نے آپ علیہ السلام کو اپنی فطرت کے تمام مظاہر کا مشاہدہ پوری بصیرت سے کروا دیا اور آپ کا یقین (وحدتِ خداوندی) میں کامل ہو گیا۔“

مزید ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عَالِمِيْنَ۝﴾

(سورہ انبیاء: ۵۱)

یعنی: ”چنانچہ اللہ کی وحدانیت پہلے ہی سے آپ علیہ السلام کے دل و جان میں سمو دی گئی اور روزِ اول ہی سے آپ علیہ السلام کو فہم و فراست اور تدبر و حکمت کی فراوانیوں سے حصہ وافر عطا فرمایا گیا

اسے کہتے ہیں:

قدرت خود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

لہٰذا آپ علیہ السلام قوم کے خرافاتی اور دیومالائی مذہب سے نفرت کرنے لگے، آپ علیہ السلام قوم کی حالت پر دل ہی دل میں رنجیدہ، اور توحید باری تعالیٰ کے پرچار کیلئے بے

---

[1] آپ علیہ السلام کی والدہ کا نام امیلہ تھا، جو کہ نہایت ہی نیک خاتون تھیں اور آپ علیہ السلام کے بچپن ہی میں وہ وفات پا گئیں۔

تاب ہونے لگے، یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے آپ علیہ السلام کو عہدۂ نبوت پر فائز کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا﴾ [سورہ بقرہ:۱۳۰]

''کہ ہم نے اسے دنیا میں منتخب فرمالیا۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ﴾ [سورہ بقرہ:۱۳۱]

جب مالکِ ارض وسماء نے جناب ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: میرے حکم کی تعمیل کیلئے تیار ہو جاؤ، تو تسلیم ورضا کے پیکر نے جواب دیا کہ:

﴿قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾ [سورہ بقرہ:۱۳۱]

جی ہاں میں تیار ہوں۔

﴿إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝﴾ [سورۂ صافات:۸۴]

واقعی آپ علیہ السلام نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور دیدہ ودل فرشِ راہ کر دیا۔

آغازِ تبلیغ اور باپ سے خطاب

عالی مقام انبیاء ورسل اور پیغمبران ذی وقار علیہم السلام کے ذمہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے سب سے اہم حکم ''توحید'' کا پرچار (یعنی رب کی پہچان اور شرک کی تردید) کرنا ہی ہوتا ہے، لہٰذا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے رب کا یہ حکم پورا کرنے کیلئے تبلیغ کا آغاز کیا اور سب سے پہلے اپنے گھر میں باپ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

﴿يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۝﴾ [سورہ مریم:۴۲تا۴۵]

یعنی: ''اے میرے ابا جان! آپ ان کی پوجا پاٹ کیوں کر رہے ہیں جو سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ آپ کو کچھ فائدہ پہنچاتے ہیں، اے ابو جان! میرے پاس وہ علم آچکا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، لہٰذا آپ میری بات مان لیں، میں آپ کی بالکل سیدھی راہ کی طرف رہبری کروں گا۔ ابو جان! آپ شیطان کی پرستش سے باز آجائیں شیطان تو اللہ رحمٰن کا بڑا ہی نافرمان ہے۔ اے میرے ابا جان! مجھے خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں آپ پر کوئی عذاب الٰہی نہ آ پڑے کہ آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔''

یہ ہیں ابراہیم علیہ السلام کہ جنہوں نے تبلیغ کا آغاز اپنے گھر سے کیا۔ مگر تعجب ہے ان مبلغین پر جو زندگی بھر دوسرے علاقوں میں تبلیغ کرتے رہتے ہیں، مگر اپنے گھر کی دینی لحاظ سے بے راہ روی اور اخلاقی زبوں حالی پر توجہ نہیں دیتے، ان کے بہن بھائی والدین جوں کے توں بے علم، گمراہ اور فرائضِ اسلام کے تارک ہی رہتے ہیں، نیز وضع قطع میں اسلامی تہذیب سے دستبردار ہو کر رہ جاتے ہیں، جب کہ ادھر اس حضرت صاحب کا پورے ملک میں تبلیغ کا طوطی بولتا ہے اور اگر کبھی توجہ دلائی جائے تو کہتے ہیں:
بھئی کیا کریں، بزرگ ہیں، مانتے کچھ نہیں، بڑا بھائی ہے کیسے سمجھاؤں؟۔

ان سے پوچھیے: کیا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جس باپ سے واسطہ پڑا، کیا وہ اپنی دنیاوی جاہ وحشمت میں کم تھا؟ مگر آپ علیہ السلام نے ہر ممکن کوشش کی کہ باپ ہدایت پا جائے۔

داعی و مبلغ کے لیے سیرت ابراہیم علیہ السلام کا عملی پہلو

عمل: اگرچہ والدین کافر ہی کیوں نہ ہوں، دین کے معاملہ میں تو اتباع نہ کی جائے، مگر دنیاوی معاملات میں پھر بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ضروری ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ [سورہ لقمان: ۱۵]

یعنی: ''دنیاوی معاملات میں اچھے طریقے سے ان کا ساتھ دو''۔

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی والدہ کافرہ تھی، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا فتویٰ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ [1]

باپ کا تلخ رویہ اور جلاوطنی

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے ادب واحترام کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت شفقت ومحبت اور پیار والفت کے لہجے میں وعظ سنایا، لیکن توحید کا یہ سبق کتنے ہی شیریں اور نرم لہجے میں کیوں نہ ہو، مشرک کیلئے ناقابل برداشت ہی ہوتا ہے، آزر کونمرود (جو کہ کنعان بن کوش کا بیٹا تھا) کے دربار میں اپنی جاہ وحشمت، مقام ومذہب کا لحاظ بھی تھا اور اپنی معاش سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا خوف واندیشہ بھی، بالخصوص اپنے دین کی اندھی عقیدت کی وجہ سے توحید کی پہلی آواز نہایت عجیب لگی، اسی تعصب وہٹ دھرمی کی بناء پر آزر نہ تو بیٹے کے اندر خداداد صلاحیتوں کو اور نہ ہی اس کے حیات آفریں پیغام کو سمجھ سکا، چنانچہ حددرجہ نرمی وشائستگی اور ملائمت کے باوجود ظالم باپ کی آنکھیں شعلۂ جوالہ بن گئیں اور نتھنے پھول گئے، دھاڑتے ہوئے وہی کچھ کہا جو ایک ظالم باپ بالآخر کہہ سکتا ہے، کہنے لگا:

﴿قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا﴾ [سورہ مریم: ۴۶]

یعنی: ''اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے روگردانی کر رہا ہے، اگر باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا، جاؤ میری نظروں سے ہمیشہ کیلئے دور ہو جاؤ''۔

چنانچہ یہ گھر سے نکل جانے کا حکم تھا لہذا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے گھر سے نکل جانے

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الادب، باب صلة الوالد المشرك، حدیث:۵۹۷۸، صحیح مسلم: کتاب الزکاة، باب فضل النفقة والصدقة علی الاقربین، حدیث: ۱۰۰۳

میں ہی اپنی اور اپنے دین واعتقاد کی عافیت سمجھی، چونکہ باپ کیلئے بڑے خیر خواہ، نرم دل اور داعی الی اللہ کی صفات سے آراستہ و پیراستہ تھے، بایں وجہ جاتے ہوئے بھی کسی ناراضگی اور خفگی کا اظہار کرنے اور تند و تیز جملہ کسنے کی بجائے اس کیلئے امن و سلامتی کی دعا کی اور فرمایا:

﴿سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا۝ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا۝﴾

[سورہ مریم: ۴۷، ۴۸]

یعنی: ''اللہ آپ کو سلامت رکھے، میں اپنے رب سے تمہاری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا، وہ تو مجھ پر حد درجہ مہربان ہے۔ اور میں تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو سب سے بیزار ہوں، صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور پر امید ہوں کہ اس کو پکار کر میں محروم نہ رہوں گا۔''

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

عمل : عقیدے کی بات

ان الفاظ پر ذرا غور کریں کہ آپ علیہ السلام اپنے والد کی ہدایت کے لیے کس قدر بے تاب ہیں؟ کیا آپ کے دل میں زبردست تڑپ نہ تھی کہ باپ دوزخ کی آگ سے بچ جائے، مگر ہدایت دینا اور دین پر چلانا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تھا، آپ علیہ السلام کے اختیار میں ہوتا تو سب سے پہلے آپ علیہ السلام کا باپ سب سے بڑا موحد ہوتا۔

لہٰذا سیرت ابراہیم علیہ السلام سے ہمیں یہ عقیدہ ملتا ہے کہ نبی ولی بھی کسی کو ہدایت دینے کے اختیارات نہیں رکھتے۔ آپ ابھی ابھی پڑھ آئے ہیں کہ نوح علیہ السلام نے کنعان بیٹے کی خاطر کتنی کوشش کی کہ وہ مسلمانوں کی صف میں شریک ہو جائے مگر نہ ہو سکا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے لیے کوشش اس کی زندگی کے آخری دم تک کی مگر وہ

ہدایت نہ پا سکا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۝﴾ [سورہ قصص:۵۶]

یعنی: ''اے نبی ﷺ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ ہی ہے جو جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والے لوگوں کو خوب جانتا ہے''

اسی عقیدہ کا اظہار سیدنا ابراہیم علیہ السلام زندگی کے ہر لمحہ میں فرما رہے ہیں، کبھی قوم سے فرماتے ہیں:

﴿لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ۝﴾ [سورہ انعام: ۷۸]

یعنی: ''اگر میرا رب میری رہنمائی نہ کرے تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا''

نیز فرماتے ہیں:

﴿اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ۝﴾ [سورہ صفات:۹۹]

مزید فرماتے ہیں:

﴿الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ۝﴾ [سورہ شعرآء:۷۸]

عمل : ۲

آپ گھر سے الوداع ہوتے وقت باپ سے وعدہ کر رہے ہیں کہ میں آپ کے لیے اپنے رب سے دعا کرتا رہوں گا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ طرز عمل اس بات کا متقاضی ہے کہ والدین کے لیے ان کی زندگی میں ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کی دعائیں کی جائیں اور اگر وہ گمراہ ہوں تو ہدایت کی دعا کی جائے، اور اگر اسلام پر فوت ہو جائیں تو ان کی بخشش کی دعائیں کی جائیں۔ البتہ کفر و شرک پر مر جائیں تو دعا ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔

....

تبلیغ کا دوسرا مرحلہ اور قوم کی طرف رخ

سلسلۂ تبلیغ میں گھر کے بعد قوم اور خاندان کا نمبر آتا ہے، لہٰذا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انکی طرف رخ فرمایا، آپ علیہ السلام نے ہمیشہ تبلیغ میں حکمتوں بھرے انداز اور دلوں کو موہ لینے والے اسالیب اپنائے، جن میں سے ایک انداز ''ذاتی مشاہدے'' کے ذریعے قوم کو سمجھانا تھا، کیونکہ مومن خود ایک چلتا پھرتا اشتہار ہوتا ہے، اس کے افعال و کردار ہی لوگوں کے لیے تبلیغ کا کام دیتے ہیں۔

مرنے کے بعد زندہ ہونے کا آنکھوں دیکھا حال

موت کی حقیقت ہر انسان تسلیم کرتا ہے، مگر اکثر مشرک اقوام حیات بعد از ممات کی انکاری ہی رہی ہیں، اور اگر گمراہ عوام کی تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے تو ان کی دین سے بیگانگی، قساوت قلبی اور اخلاقی بیگاڑ کا سب سے بڑا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایمان بالآخرۃ کے اصول کو فراموش کر چکے تھے اور اس بات کے قائل نہیں رہے تھے کہ ان کی بداعمالیوں کا محاسبہ ایک دن اللہ کے ہاں ہونے والا ہے، بالکل یہی حال قوم نمرود کا تھا، اسی لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اللہ سے مطالبہ کیا کہ مجھے دکھائیں کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں تاکہ عین الیقین بھی ہو جائے اور قوم بھی مرنے کے بعد جی اٹھنے اور حساب و کتاب ہونے پر ایمان لا سکے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝﴾ [سورہ بقرہ: ۲۶۰]

یعنی: ''سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو سہی کہ تو

مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے؟ ❶ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم ایمان نہیں لائے؟ کہا: کیوں نہیں، لیکن تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے، اللہ نے فرمایا: چار پرندے لو، ❷ ان کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر انہیں بلاؤ، وہ آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آ جائیں گے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب حکمتوں والا ہے۔"

عمل : عقیدے کی بات

مارنا اور زندہ کرنا بھی رب کے اختیار میں ہے، کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ موت و حیات کا اختیار اللہ کے پاس مانا جائے، کسی بزرگ کی ناراضگی کو جانی نقصان کا سبب نہ سمجھا جائے، اسی طرح قیامت کے دن زندہ ہونے کا عقیدہ بھی رکھا جائے، مشرک لوگ بزرگوں کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ناراض ہو گئے تو اولاد مر جائے گی، وہ نہ دیں گے تو بیٹا نہ ملے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ بار بار ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ موت و حیات پر قادر نہیں ہیں۔ سورۂ فرقان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ

---

❶ یہاں بعض لوگ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ایمان حیات بعد از ممات پر اعتراض کرتے ہیں، لیکن انبیاء کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے اس کو اگر سمجھ لیں تو اعتراض کی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ وہ تو ایمان بالغیب کی منازل پہلی ہی سے طے کر چکے ہوتے ہیں، اور پھر ایمان بالشہادت کی نعمت سے مخصوص ہوتے ہیں کیوں کہ انہیں دنیا کے سامنے پورے زور کے ساتھ یہ کہنا ہوتا ہے کہ تم قیاسی گھوڑے دوڑاتے ہو اور ہم آنکھوں دیکھے مظاہر کی بات کرتے ہیں۔ (ملخص تفہیم القرآن: جلد دوم، تفسیر كذالك نرى ابراهيم ملكوت ......)

❷ ان پرندوں کی تعین کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے نامزد نہیں کیا لہٰذا تعین کرنے کی ضرورت نہیں، کوئی چار پرندے تھے۔ (تفسیر صلاح الدین یوسف: مذکورہ آیات)

لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيَاةً وَّلَا نُشُوْرًا﴾

[سورہ فرقان: ۳]

یعنی: ''انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو معبود بنا رکھا ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ خود پیدا کیے گئے ہیں، اپنے نفع ونقصان کے بھی مالک نہیں ہیں، نہ ہی موت وحیات اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کی ملکیت رکھتے ہیں۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿اَيُشْرِكُوْنَ مَالَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ○ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○﴾ [سورہ اعراف: ۱۹۱، ۱۹۲]

یعنی: ''کیا یہ لوگ ان لوگوں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔ نہ ہی انکی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں''

....

اجرامِ فلکی پر ایک نظر اور مشرکانہ عقائد کا بطلان

مشرک عقل کا اندھا ہوتا ہے، اسی لئے وہ کئی خداؤں کا بندہ ہوتا ہے، ابراہیم علیہ السلام کی قوم جہاں نمرود کو خدا مانتی تھی وہاں بتوں کی پجاری بھی تھی، یہیں پہ بس نہیں بلکہ سورج، چاند، تاروں کی پوجا بھی کرتی تھی، وہ لوگ ان کی تاثیر کے قائل تھے اور انہیں نفع ونقصان کا مالک سمجھتے تھے۔

چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے خداداد بصیرت کے تحت تبلیغ کیلئے عقلی دلائل کی حکمتوں کا اصول اپنایا اور حجتِ قاطعہ کے ساتھ اِن فلکی خداؤں کی تردید کر کے قوم کو لاجواب کیا۔ ❶

❶ یاد رہے کہ یہ قوم سے تبلیغ کے ابتدائی لمحات کی باتیں ہیں، بعض نے لکھا ہے کہ جب نمرود نے ←

قرآن حکیم نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰى كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ○ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○﴾ (سورۂ انعام: ۷۶ تا ۸۱)

یعنی: "جب آپ علیہ السلام پر رات کی تاریکی چھا گئی تو آپ علیہ السلام نے ایک تارہ دیکھا، آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ میرا رب ہے، مگر جب وہ غروب ہو گیا تو آپ

← بچے قتل کرنے کا سلسلہ جاری کیا تا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پیدا ہو کر اس کی جھوٹی خدائی ختم نہ کر دیں، اسی مدت میں آپ علیہ السلام پیدا ہوئے اور آپ علیہ السلام کی پرورش ایک خفیہ غار میں کی گئی، وہاں ہوش سنبھالتے ہی اجرام فلکی کی عبودیت کا رد کیا تھا، مگر یہ بات مستند نہیں ہے، بلکہ قرآن کریم کے الفاظ صراحت کر رہے ہیں کہ یہ اپنی قوم سے مکالمہ کر رہے ہیں قوم کو سمجھا رہے ہیں مثلاً: ﴿وحاجه قومه ......﴾ اور ﴿وتلك حجتنا آتينا ابراهيم على قومه﴾ اور بعض نے تو اس واقعہ کو اتنا متاخر کر دیا ہے کہ آپ علیہ السلام جب باپ سمیت اہل حران کی طرف ہجرت کر گئے تھے، نمرود تباہ ہو گیا تھا، اور وہاں اہل حران اور باپ کو تبلیغ کرتے ہوئے یہ مظاہرہ فرمایا مگر اس کی بھی کوئی سند نہیں اور یہ ممکن ہی نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا انکار کر کے نمرود تو عذاب میں غارت ہو جائے اور آزر، جو نمرود سے بڑا دشمن تھا خود چتا جلانے والا اور جلا وطن کرنے والا، وہیں عذاب میں غرق ہونے کی بجائے اسی بیٹے کے ساتھ ہجرت کرے بلکہ قرآن کے صریح الفاظ ہیں کہ ﴿اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ﴾ یعنی آپ علیہ السلام نے قوم اور باپ دونوں کو خیر باد فرمایا، صرف ایمان لانے والوں کو ساتھ لے کر رخصت ہوئے۔

علیہ السلام نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں (فانی اور حادث) کو اپنا رب نہیں مانتا۔ پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک دمک رہا ہے تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے، لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دے تو میں گمراہی سے بچ ہی نہیں سکتا''۔ پھر جب آفتاب کو مہتاب پایا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے، کیونکہ یہ تو سب سے بڑا ہے، مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''اے میری قوم! بلاشبہ میں ان تمام چیزوں سے، جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو، بیزار ہوں، میں اپنا رخ اسی ذات کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا یکسو ہو کر اور میرا مشرکین سے کوئی سروکار نہیں'' پس قوم نے آپ علیہ السلام سے جھگڑا شروع کر دیا، آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو، حالانکہ اس نے تو مجھے ہدایت دی ہے؟ میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا، ہاں اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ ضرور ہو سکتا ہے، میرا رب ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے، کیا تم سبق حاصل نہیں کرتے؟ اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنا رکھا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، اگر کوئی سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو بتاؤ کہ امن کا مستحق کون ہے ان دو جماعتوں (آپ اور مجھ) میں سے؟''

یہ تھی وہ واضح دلیل اور حجتِ قاطعہ جس پر قوم لاجواب ہو گئی، مگر عقل کے ناخن نہ لیے، بلکہ بغض وعناد کا رخ اختیار کیا، لیکن مومن باطل کے عناد کی پرواہ نہیں کرتا وہ تو اپنا مشن جاری وساری رکھتا ہے، بہار ہو یا خزاں، وہ تو گلشنِ توحید کی آبیاری کرتا رہتا ہے۔

عمل : مومن کے دل میں خوفِ الٰہی کا پیغمبرانہ شیوہ

معلوم ہوا کہ مشرک رب کی بجائے اپنے شریکوں کا خوف دل میں زیادہ رکھتا ہے، اپنے پیر و مرشد کے رنج و غصہ سے بچتا ہے، اس کی ناراضگی کو اپنے لیے دنیا و آخرت کی ناکامی سمجھتا ہے، ان سے ہر وقت ڈرتا ہے کہ کہیں حضرت صاحب ناراض ہو گئے تو میرے مال و جان کی خیر نہیں، میری اولاد میرا رزق مجھ سے چھن جائے گا، جب کہ موحد آدمی ان سب چیزوں کو شرک سمجھتے ہوئے صرف رب کا خوف دل میں رکھتا ہے، اسی لیے وہ بڑی بڑی طاغوتی قوتوں سے ٹکرا جاتا ہے اور بڑی بڑی سپر پاوروں کو جوتے کی نوک سے ٹھوکر لگانا جانتا ہے، کیوں کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مقتدر اعلیٰ سمجھتا ہے دنیا کی کسی ہستی کو خیر و شر کا خالق نہیں سمجھتا۔

یہی ایمانی غیرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سینے میں موجود تھی تو باطل کے ایوانوں میں اکیلے تہلکا مچا دیتے تھے اور ہر پیغمبر اور مومن کا یہی شیوہ ہے کہ صرف رب کا خوف اور باقی سب سے بے خوف اور یہی ایمان کا تقاضا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں یہ مضمون کثرت سے بیان ہوا ہے، دو مقامات پیش خدمت ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا۝﴾ [سورۃ احزاب:۳۹]

یعنی: ”وہ اللہ تعالیٰ کی رسالت کو پہنچاتے ہیں اور صرف اللہ سے ڈرتے ہیں، اللہ کے علاوہ کسی سے بھی نہیں ڈرتے اور حساب و کتاب کے لیے اللہ ہی کافی ہے“

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سب طاغوتی قوتیں اکٹھی ہو جائیں اور اپنے جتھوں اور طاقتوں سے تمہیں دھمکا رہے ہوں تو بھی ان سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگر مومن بننا چاہتے ہو تو پھر ان سے بالکل نہ ڈرو صرف مجھ سے ڈرو فرمایا:

﴿اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝﴾ [سورہ آل عمران: ۱۷۵]

یعنی: ''یہ شیطان ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے لھذا اگر تم مومن ہو تو ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ہی ڈرو۔''

عمل: وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہو

اسی طرح آپ علیہ السلام کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی کو قادر مطلق سمجھتے ہوئے صرف ''ماشاء للہ'' کہنا چاہیے، کیوں کہ ہر کام میں منشاء اور مرضی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی چلتی ہے، اس کی مرضی پر کسی کی مرضی غالب نہیں آسکتی اور نہ ہی اس کی چاہت کے علاوہ کوئی کچھ کر سکتا ہے اور نہ منشاء خداوندی کے علاوہ کچھ ہو ہی سکتا ہے۔

مگر ہم بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے اعتقاد کے مطابق کہتے ہیں، جو اللہ چاہے اور اس کا حبیب چاہے، جو اللہ چاہے اور اس کا رسول چاہے، جو اللہ چاہے اور جو میرا مرشد چاہے وغیرہ۔۔۔ بلکہ کچھ لوگ تو صرف یہی کہتے ہیں کہ جو میرا مرشد چاہے وہی ہوگا، جب کہ یہ اعتقاد اور ایسے جملے صریح شرک ہیں اور سیرت ابراہیم علیہ السلام میں موجود توحید خالص کے منافی ہیں، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انھیں شرک قرار دیا ہے اور اپنی ذات تک کے بارے میں بھی ایسے جملے کہنے کی اجازت نہیں دی، مسند احمد کی حدیث مبارکہ ہے:

((اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَجَعَلْتَنِيْ وَاللّٰهِ عَدْلًا بَلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ)) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا آپ نے مجھے اللہ کے برابر کر لیا ہے بلکہ تم کہو: جو صرف اللہ چاہے۔

....

[1] مسند احمد، حدیث: ۱/ ۲۱۴، ۲۲۴، ۲۴۷، ۲۸۳

صنم کدہ ہے جہاں ...... لا الہ الا اللہ

اس قوم میں شرک کی کئی ایک شکلیں تھیں، جہاں وہ قوم تاروں کی پجاری تھی وہاں نمرود کو خدا بھی مانتی تھی، صرف یہی نہیں بلکہ بزرگوں کے نام کی مورتیاں بنا کر ان کی پوجا پاٹ بھی کرتی تھی اور ان مورتیوں کا بانی مبانی خود آپ علیہ السلام کا باپ آزر تھا، آپ علیہ السلام کو ان کی جھوٹی خدائی کا پردہ چاک کرنے اور ان کی بے بسی و بے کسی کو آشکارا کرنے کے مواقع وقتاً فوقتاً میسر آتے رہتے تھے، جن میں باپ سمیت قوم سے خطاب فرماتے ہوئے ان کی پوجا اور عبادت کی وجوہات پوچھتے، پھر ان کی تردید احسن انداز میں فرماتے، جن کا نقشہ قرآن کریم نے یوں کھینچا ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ۝ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۝ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۝ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۝ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ۝ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۝ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۝ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۝ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ۝ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۝﴾

[سورہ شعرآء: ۶۹ تا ۸۲]

یعنی: ''انہیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بھی پڑھ کر سناؤ، جب انہوں نے اپنے باپ اور قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں، بس ہم تو ان کے مجاور بنے بیٹھے ہیں۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا جب تم انہیں پکارتے ہو تو وہ سنتے بھی ہیں، یا تمہیں نفع نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں؟'' انہوں نے کہا: (ہم تو کچھ نہیں جانتے بس) ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے پایا ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا

کچھ خبر بھی ہے کہ جنہیں تم اور تمہارے اگلے باپ دادا پوج رہے ہو، وہ سب میرے دشمن ہیں، مگر صرف اللہ تعالی جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری کرتا ہے۔ اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفاء دیتا ہے اور وہی مجھے مارے گا پھر زندہ کرے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ روز قیامت میرے گناہ معاف فرمائے گا''۔

عمل : ایمان باللہ کی حقیقت

مذکورہ بالا عقیدۂ ابراہیم علیہ السلام سے معلوم ہوا کہ اللہ پر ایمان یہ ہے کہ اسی کو ایک مانا جائے، اسی کو آسمانوں اور زمین کا مالک مانا جائے، اسی کو خالق اور رزاق اور شفا دینے والا سمجھا جائے، اسی کے ہاتھوں میں موت و حیات، عزت و ذلت، فتح وشکست کے اختیارات سمجھے جائیں اور گناہوں کی معافی کے لیے اسی سے لو لگائی جائے، الغرض ذات صفات اور صفات کے تقاضوں میں اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا اور اس کا کوئی شریک نہ ماننا ہی اللہ پر ایمان کہلاتا ہے جو کہ عقیدہ توحید کا بنیادی جزو اور اصل الایمان ہے۔

عمل : شفاء اور صحت دینے والا کون؟

آج ایسے عقیدے والے لوگ نظر آتے ہیں جو جب کوئی مرض آجائے تو کہتے ہیں کہ مرشد کی ناراضگی کی وجہ سے مرض آیا ہے، اسی طرح پھر شفاء کے لیے بھی انہیں غائبانہ پکارتے ہیں، ان کے نام کے کڑے چھلے، انکے نام کی نذرو نیاز کرتے ہیں، دھاگے باندھتے ہیں، شفاء کے لیے ان کے درباروں کی خاک جسم پر ملتے ہیں، کئی دفعہ آپ نے دیکھا ہوگا لوگ بسوں میں دم شدہ چھلے اور دھاگے فروخت کرتے ہیں، جو تقریباً تمام اہم بیماریوں کے لیے مجرب نسخہ ہوتے ہیں، جاہل عوام انہیں (ہائے عامۃ الناس کی سادہ لوحی بلکہ بدبختی کہ) اتنا ہی نہیں جانتے کہ پیر صاحب ایک عرصہ ہوا مر

گئے، صدیاں بیت گئیں انہیں یہاں سے کوچ کیے مگر ان کا چھلا ابھی تک زندہ سینکڑوں بیماریوں کے لیے جادو کی چھڑی اور اس کا تبرک جاری وساری ہے۔ وہ الہٰ دین کے چراغ کی طرح جس گھر میں ہو شفاء وہاں ڈیرے ڈال لیتی ہے۔ جس ہاتھ میں ہو بیماریاں وہاں سے بھاگ جاتی ہیں۔ جس دوکان میں داب دیا جائے، رزق اس دوکان والے پر عاشق ہو جاتا ہے، ہاں کسی کا بھلا ہو نہ ہو، وہ تو چھلے بیچ کر اپنے چند ٹکے کھرے کرتا ہے۔ اس رام کہانی سے محسوس یوں ہوتا ہے کہ پیر صاحب جدی پشتی لوہار تھے، ضرورتِ زمانہ سے سید بن بیٹھے اور اپنے چھلے اور کڑے بیچنے کے لیے شیطان نے انہیں پٹی پڑھا دی۔ الغرض غیروں سے شفاء مانگنے کے یہ سب طریقے شرک ہیں اور اس شافی وکافی ذات باری تعالیٰ کی گستاخی اور بے ادبی ہے۔

عمل : نفع نقصان کا مالک کون؟

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے جو استفصار کیا کہ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی نفع نقصان کا مالک نہیں اور عبادت صرف اللہ کی کرنی چاہیے، جس کے ہاتھ میں نفع ونقصان کے تمام اختیارات ہیں اور قرآن کریم جا بجا یہی فرما رہا ہے کہ اللہ کے علاوہ معبودان باطلہ کسی کے نفع کی ملکیت تو دور کی بات اپنے لیے بھی نفع دینے اور نقصان دور کرنے کے اختیارات نہیں رکھتے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ ۝﴾ [سورہ یونس:۱۰۶]

یعنی: ''اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کر جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان، پھر اگر ایسا کیا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے''۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿يَدْعُوا مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُ وَمَا لَا يَنفَعُهُ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ

الْبَعِيْدُ○ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ○﴾ [سورہ حج: ۱۲تا ۱۳]

یعنی: ''(یہ مشرک) اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو نہ انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان، یہی تو دور دراز کی گمراہی ہے، ایسے کو پکارتا ہے جس کا نقصان دینا اس کے نفع دینے سے زیادہ قریب ہے یقیناً یہ برا مولیٰ اور برا ساتھی ہے۔''

....

یہ تبلیغ کرتے کرتے آپ علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ سے مخاطب ہو کر دعائیں کرنا شروع کر دیتے ہیں، تاکہ پتہ چلے کہ رب کو ماننے والے اسے کیسے پکارتے ہیں اور جہاں اپنے رب سے دعائیں کیں وہاں والد کی خیر خواہی اور ان سے کئے گئے وعدہ نے تڑپایا، باوجود والد کی سختی اور درشتگی کے اس کی بخشش و ہدایت کیلئے دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ○ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ○ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ○ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ○ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ○ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ○﴾ [سورہ شعراء: ۸۳ تا ۸۹]

یعنی: ''یا اللہ! مجھے قوت فیصلہ نصیب فرما اور میرا شمار نیک لوگوں میں رکھنا اور بعد والوں میں میرا ذکر خیر باقی رکھنا، مجھے نعمتوں والی جنت کے ورثاء میں سے بنا دے اور میرے باپ کو معاف فرما، وہ گمراہوں میں سے تھا، اور مجھے لوگوں کے اٹھائے جانے والے دن (قیامت) رسوا نہ کرنا، جس دن مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گا لیکن کامیاب وہی ہو گا جو اللہ کے سامنے قلب سلیم لے کر آئے گا۔''

عمل : عقیدۂ آخرت اور اس کی عملاً فکر

آپ علیہ السلام کی مذکورہ دعاؤں سے معلوم ہوا کہ آخرت کا دن برحق ہے، حساب وکتاب ہوگا جو موحد نہ ہوگا اس کے حق میں اس کے اموال واولاد سودمند نہ ہوں گے اور اس دن رشتے داری کام آئے گی نہ روپیہ پیسہ، صرف قلب سلیم والا انسان جنت میں ہمیشہ رہے گا اور مشرک ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آخرت کے بارے میں یہ اشد فکر اس بات کی متقاضی ہے کہ آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اس کی زبردست تیاری بھی کرنی چاہیے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝﴾ [سورة ممتحنة:٦]

یعنی: ”البتہ تحقیق تمہارے لیے ان میں بہترین نمونہ ہے اس آدمی کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے اور جو پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بلاشبہ بے پرواہ تعریف کیا گیا ہے۔

....

آپ علیہ السلام نے بڑے ہی نرم لہجے میں یہ گفتگو باپ اور قوم سے کی، اسی طرح کئی ،مجموں میں تبلیغ کرتے رہے، حتی کہ ایک موقع پر واشگاف انداز میں اس طرح توحید بیان کی کہ باپ، قوم اور حاکم وقت سب دشمن اور خون کے پیاسے بن گئے، حتی کہ آگ جلا کر آپ علیہ السلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہا، مگر اللہ رب العزت نے انہیں ذلت کے گھاٹ اتارا اور اپنے خلیل علیہ السلام کی حفاظت فرمائی، اس واقعہ کو قرآن حکیم نے تین مقامات پر یعنی سورۂ انبیاء، سورۂ عنکبوت اور سورۂ صافات میں تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا، آیئے توحید دشمنی اور حق پر ثابت قدمی کی حیران کن داستان پڑھیے، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ ○ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عَابِدِیْنَ ○ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ○ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ○﴾ [سورہ انبیاء: ۵۲ تا ۵۶]

یعنی: ''آپ علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم سے فرمایا: ''یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا چیز ہیں؟'' انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے باپ دادا کو انہیں کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''تم اور تمہارے باپ دادا سبھی یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں''۔ وہ کہنے لگے: کیا آپ ہمارے پاس سچی خبر لائے ہیں یا یونہی مذاق کر رہے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''مذاق نہیں بلکہ یقیناً تم سب کا پروردگار تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور میں اس بات پر گواہ ہوں۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان سے ان کے خداؤں کے متعلق ان کے خیالات، عقائد ونظریات پوچھنے کے ساتھ ساتھ پروردگار عالم کی بابت ان کے نظریات کے متعلق استفسار کیا، جس کا تذکرہ سورۂ صافات میں اس طرح ہے:

﴿اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ○ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِیْدُوْنَ ○ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○﴾ [الصافات: ۸۵ تا ۸۷]

یعنی: ''آپ علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم سے پوچھا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ کیا اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کو پسند کرتے ہو؟ ذرا یہ بتلاؤ کہ تم نے رب العالمین کے بارے میں کیا سمجھ رکھا ہے؟''

جواباً قوم نے اور تو کچھ نہ کیا البتہ اپنے میلے میں آپ علیہ السلام کو مدعو کیا تا کہ آپ علیہ السلام ان کے خداؤں کے کرتب اور قوم کی ان سے عقیدت کو بچشم خود دیکھ سکیں، اور

ان کی بزرگی مان لیں، مگر آپ علیہ السلام دل میں یہ عزم کر چکے تھے کہ:

﴿وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ﴾

[سورہ انبیاء: ۵۷]

یعنی: ''اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کے ساتھ اس وقت ایک چال چلوں گا جب تم منہ پھیر کر چلے جاؤ گے''

﴿فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ۝﴾

[سورہ صافات: ۸۸ تا ۹۰]

یعنی: ''آپ علیہ السلام نے ایک نگاہ ستاروں پر اٹھائی اور فرمایا کہ میں تو مریض ہوں۔ پس وہ آپ علیہ السلام سے منہ موڑ کر چلے گئے۔''

عمل: غیر اللہ کی قسم شرک ہے

اس عبارت سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے (ذاتی یا صفاتی) ناموں کی قسم کھانی چاہیے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کسی بزرگ یا اولاد یا رزق وغیرہ کی قسم نہیں کھائی بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائی۔ مگر بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ رزق و اولاد یا اپنے پیر و مرشد وغیرہ کی یا صبح شام کے وقتوں کی قسم کھاتے ہیں۔ مثلاً پیر دی قسم، مرشد دی قسم، غازی عباس دے علم دی قسم، علی دی قسم، نبی دی قسم، ولی دی قسم، صبح دا ویلا، میرا سیدھے پاسے منہ اے، نور پیر دا ویلا، کعبہ دی قسم، وغیرہ۔

ابراہیم علیہ السلام قوم کے بت کدے میں

قوم میلے میں مصروف ہے، ابراہیم علیہ السلام قوم کے خداؤں سے ملاقات کرنے کیلئے بت کدے میں پہنچ جاتے ہیں اور جس طرح ان سے مخاطب ہوئے، قرآن حکیم نے اس کا منظر سورہ صافات میں یوں کھینچا ہے:

﴿فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَاغَ

عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۝ ﴾ [سورہ صافات: ۹۱ تا ۹۳]

یعنی: ''آپ علیہ السلام ان کے معبودوں تک جا پہنچے اور پوچھا: ''تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟'' تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم بات تک نہیں کرتے؟ پھر تو (پوری قوت کے ساتھ) دائیں ہاتھ انہیں مارنے پر پل پڑے۔''

اوران کا جو حشر کیا اس کا نقشہ سورۂ انبیاء نے یوں پیش کیا ہے:

﴿ فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ۝ قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ۝ قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ ۝ ﴾ [سورہ انبیاء: ۵۸ تا ۶۰]

یعنی: ''آپ علیہ السلام نے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، البتہ صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا، یہ بھی اس لئے کہ وہ سب اس کی طرف لوٹیں۔ [1] وہ کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کا یہ حشر کس نے کیا ہے؟ بولے: ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے سنا ہے، اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔''

گستاخی کا مقدمہ اور شاہی عدالت کا فیصلہ

بزرگوں کے ادب واحترام میں مبالغے سے کام لینے والے لوگ اندھا دھند عقیدت میں آکر ہمیشہ اعتدال پسند حق نواز افراد کو گستاخ ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ اس مبالغہ آرائی میں وہ خود نہ صرف بزرگوں کے گستاخ بلکہ اللہ کے بھی گستاخ بن جاتے ہیں، مگر جہالت اتنی ہوتی ہے کہ سمجھ نہیں پاتے، اسی قسم کے لوگوں کا سامنا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کرنا پڑا، آپ علیہ السلام پر گستاخی کا الزام لگا کر حاکم وقت کے دربار میں لایا گیا، حکم تھا کہ:

﴿ قَالُوا فَأْتُوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ۝ ﴾ [سورہ انبیاء: ۶۱]

یعنی: ''اسے مجمع عام میں لاؤ تاکہ لوگ اس کا انجام دیکھ لیں۔''

چنانچہ آپ علیہ السلام کو لایا گیا اور یہ مکالمہ زیر بحث آیا:

---

[1] کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اس کے کندھے پر ایک کلہاڑا بھی رکھ دیا۔

﴿قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝﴾

[سورۂ انبیاء: ۶۲ تا ۶۷]

یعنی: ''کہنے لگے اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''بلکہ یہ کام تو ان کے اس بڑے (بت) نے کیا ہے تم اپنے خداؤں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں تو''۔ پس وہ دل ہی دل میں قائل سے ہو گئے، اور کہنے لگے واقعی ظالم تو تم خود ہی ہو، پھر شرم کے مارے سرنگوں ہو گئے اور کہنے لگے کہ تجھے معلوم تو ہے کہ یہ بول نہیں سکتے۔ آپ علیہ السلام فرمایا: ''پھر کیا تم اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان؟ تف ہے تم پر اور ان پر بھی جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، کیا تمہیں اتنی عقل بھی نہیں؟''

عمل : اللہ کے سوا مدد کرنے والا کوئی نہیں

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پاکیزہ سیرت میں سے اس عظیم واقع کو ایک کہانی اور دل بہلانے کا ذریعہ نہ سمجھا جائے بلکہ اس میں توحید کے خزانے موجود ہیں۔ ہمیں یہ معلوم ہوا کہ جھوٹے معبود دوسروں کی تو کیا وہ اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ جس طرح اس قوم کے معبود مدد نہ کر سکے۔ مگر پھر بھی مشرک کو سمجھ نہیں آتی۔ قوم نے یہ سبق نہ لیا کہ ہمارے خدا تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے، ہماری کیسے کر سکتے ہیں۔ بلکہ حد یہ ہوئی کہ کہنے لگے، ہو سکتا ہے تو اپنے معبودوں کی مدد کریں، بھلا وہ معبود کیسا جو اپنے مریدوں کی مدد کا محتاج ہو؟ پھر قوم نے یہ بھی دیکھا کہ جس رب کے بارے میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام رب ہونے

کا دعویٰ کرتا ہے، اس نے اپنے بندے کی کس طرح مدد کی ،معلوم ہوا کہ مافوق الاسباب صرف اللہ تعالیٰ ہی مدد فرما سکتا ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی کرنی والا پہنچی ہوئی سرکار مدد نہیں کر سکتی بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مدد کے محتاج ہیں۔

یہی حال آج کے مشرک کا ہے یہ اپنے حضرت صاحب کے لیے پہرے کا انتظام کرتا ہے، پیر کا رزق اس کے گھر سے جاتا ہے، خدمت مدارت یہ کرتا پھرتا ہے اور مدد دینے والا اس کو سمجھتا ہے اور اپنے حضرت صاحب کے گستاخ (دراصل توحید کے علمبردار) سے انتقام لینے کا ٹھیکے دار یہ بنا ہوا ہے۔ حضرت صاحب خود کیوں نہیں نمٹ لیتے ؟ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ:

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ۝﴾ [سورہ اعراف:۱۹۷]

یعنی: ”اور جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو، وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنی مدد کر سکتے ہیں۔“

....

سپریم کورٹ میں ابراہیم علیہ السلام کے سامنے پوری قوم لاجواب ہو کر ہکا بکا رہ گئی، آپ علیہ السلام کو ان کے معبودانِ باطلہ کی تردید کرنے کے بعد توحیدِ باری تعالی بیان کرنے کا موقع ملا، قرآن مجید گوہر افشاں ہے:

﴿وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۝﴾ [سورہ عنکبوت:۱۶ تا ۱۸]

یعنی: ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم کچھ جانتے ہو تو، بلاشبہ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں

کی عبادت کرتے ہو اور یہ جھوٹ موٹ گھڑتے ہو، جن کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کی طاقت نہیں رکھتے، لہٰذا تم اللہ ہی سے رزق طلب کرو اور اسی کی بندگی کرو اور اسی کا شکر بجا لاؤ اور تم نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو تم سے پہلے بھی کئی قومیں جھٹلا چکی ہیں، رسول کا کام تو صرف تبلیغ کر دینا ہے۔"

آگ کے فلک شگاف شعلے اور ابراہیم علیہ السلام کی سلامتی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ﴾ [سورہ عنکبوت: ۲۴]

یعنی: "بس قوم کے پاس کوئی جواب تو نہ تھا مگر صرف یہی کہا کہ اسے قتل کر دو یا جلا دو۔"

﴿فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ۝﴾ [سورہ صافات: ۹۴]

"وہ آپ علیہ السلام کی طرف دوڑتے ہوئے بڑھے۔"

﴿قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۝ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ۝﴾ [سورہ صافات: ۹۵ تا ۹۷]

یعنی: آپ علیہ السلام نے کہا: "کیا ان کی پوجا کرتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو، حالانکہ اللہ تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کرنے والا ہے۔ (وہ پکڑ دھکڑ کر رہے تھے، آپ علیہ السلام تبلیغ کرتے جا رہے تھے، قوم سنی ان سنی کرتے ہوئے یہی رٹ لگا رہی تھی) کہ ایک عمارت بناؤ (اس میں آگ جلاؤ اور) اس کی دہکتی آگ میں اس کو ڈال دو۔"

اور حیرانی کی بات یہ کہ فہم و فراست سے کورے کہہ رہے تھے:

﴿قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۝﴾ [سورہ انبیاء: ۶۸]

یعنی: "اس کو جلا کر اپنے خداوں کی مدد کرو اگر کر سکتے ہو۔"

یعنی اپنی ہی زبانوں سے اپنے معبودوں کی بے کسی کا نوحہ کررہے تھے، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں شکایت ہے کہ وہ عقل وشعور سے عاری ہوتے ہیں۔

سچ ہے:

سمجھ تو آسکتا ہے نقطۂ توحید مگر
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

حکمرانوں اور عوام کے اسی فیصلے کے مطابق ایک بہت بڑی عمارت میں آگ سلگائی گئی، جس میں آپ علیہ السلام کو ڈال دیا گیا، اب ہر فرد منتظر تھا کہ ابھی ابھی ہمارے بزرگوں کا گستاخ جل کر راکھ ہو جائے گا، اور ہمارے بزرگوں کی عظمت قائم رہے گی، ہمارا مذہب سچا ثابت ہوگا، مگر اللہ رب العزت بھی اپنے وفادار بندے کو بے یارو مددگار ہرگز نہیں چھوڑتا، چنانچہ رحمتِ خداوندی جوش میں آتی ہے اور آسمانوں سے حاکم مطلق کا حکم آگ پر نافذ ہوتا ہے:

﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ○ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ○﴾ [سورہ انبیاء: ۶۹،۷۰]

یعنی: ہم نے کہا: ”اے آگ! ابراہیم علیہ السلام کے لئے سلامتی والی ٹھنڈی بن جا، (چنانچہ آگ کی فطرت ہی بدل گئی) قوم نے تو آپ علیہ السلام کے ساتھ چال چلنے کا ارادہ کیا تھا مگر ہم نے انہیں ناکام کر دیا۔“

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَأَنجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ○﴾

[سورہ عنکبوت: ۲۴]

یعنی: ”اللہ نے ان کو آگ سے نجات دی، بلاشبہ اس میں ایمان لانے والی قوم کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں۔“

آزر دنگ رہ گیا............قوم حیرت زدہ ہوگئی، نمرود ششدر رہ گیا، مگر اللہ رب العزت کے اتنے بڑے کمال کو آنکھوں سے دیکھ کر بھی ایمان کی توفیق نہ مل سکی۔

ستیاناس ہو تکبر و عناد کا کہ اس کے سامنے تو سینکڑوں دلیلیں بے سود اور ہزاروں وعظ بے اثر ہی رہتے ہیں۔

کلام آخریں

سیاق قرآن گواہ ہے کہ آگ سے نکل کر آپ علیہ السلام قوم سے یوں مخاطب ہوئے:

﴿وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ○﴾ [سورہ عنکبوت: ۲۵]

یعنی: ''تم نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش صرف دنیا کی زندگی میں اپنی دوستی قائم رکھنے کے لیے کی ہے، مگر تم سب قیامت کے دن ایک دوسرے کے انکاری بن جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے اور تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔''

نمرود...... موت کے دہانے پر

اپنے تئیں خدا کہلانے والا نمرود اب اس فکر میں ہے کہ میری حیثیت ختم ہو جائے گی، میری جھوٹی خدائی کے ڈھول کا پول کھل جائے گا، حاکم اعلی اللہ ذوالجلال والاکرام کی ذات کا کون انکار کرسکتا ہے؟ دل میں تو جانتا تھا کہ میری خدائی کس درجہ کی ہے؟ مگر اپنی انانیت کی خاطر ہٹ دھرمی پر تل جاتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا اور مناظرہ شروع کر دیتا ہے، جسے قرآن مجید نے ان الفاظ میں محفوظ کیا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ○﴾ [سورہ بقرۃ: ۲۵۸]

یعنی: ''کیا آپ نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا کیا تھا اس بات پر کہ ابراہیم علیہ السلام کا رب کون ہے اور اس بناء پر کہ اس شخص (نمرود) کو اللہ تعالیٰ نے حکومت دے رکھی تھی، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میرا رب وہ ہے جو مارتا اور زندہ کرتا ہے، اس نے کہا: میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، [1] ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میرا اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو ذرا اسے مغرب سے نکال دکھا، یہ سن کر وہ کافر ہکا بکا رہ گیا، اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''

عمل: بصیرت مناظر

ایسی دلیل جس پر مخاطب اعتراض کر چکے، اس کی تفصیلات اور باریکیوں میں پڑنے کی بجائے فوراً دوسری قاطع دلیل دے کر اسے لاجواب کر دینا ایک ماہر مناظر کی خوبی ہے، مناظر کو بیدار مغز، صاحبِ فہم و فراست اور حاضر جواب ہونا چاہیے۔ چونکہ مدِ مقابل باطل پر ہونے کی وجہ سے دلائل و براہین کی کمک سے خالی ہوتا ہے، اس لیے وہ چاہتا ہے کہ بحث خلط ملط ہو، وہ بات کو خواہ مخواہ الجھائے گا، بات کا بتنگڑ بنائے گا اور بال کی کھال اتارنے کی پوری کوشش کرے گا۔ تو مناظر کو چاہیے کہ بحث کو معنیٰ خیز اور منطقی انجام تک پہنچانے کے لیے الجھنے کی بجائے الگ نیا بامقصد سوال کر دے تاکہ مخالف کا ناطقہ بند ہو جائے۔

....

نمرود پر حقائق کی تمام حجتیں قائم ہو چکی ہیں، ایمان قسمت میں نہیں، جبکہ ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن چکی ہے، بار بار اسے خیال آ رہا تھا کہ میری حکمرانی، میری خدائی، میری عزت سب منہدم ہو چکی ہیں۔

---

[1] اکثر مفسرین کے قول کے مطابق بطور دلیل ایک بے گناہ کو قتل کرا دیا اور جس پر قتل کا دفعہ لگ چکا تھا اس کو چھوڑ دیا۔

حق سے روگردانی کے بعد عذاب الٰہی اس طرح مسلط ہوتا ہے کہ "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" کہلانے والے کی ناک کے رستے سے دماغ میں مچھر داخل ہوتا ہے، سر میں شدید درد ہوتی ہے، قلق واضطراب کا عالم طاری ہو جاتا ہے، نوکر مقرر کیا جاتا ہے، سر میں جوتے مارتا ہے تو لمحہ بھر آرام نصیب ہوتا ہے، پھر درد شروع ہو جاتا ہے، پھر جوتے پڑتے ہیں، یوں یہ خدائی کا دعویدار جوتے کھاتے کھاتے مر جاتا ہے۔

تاریخ انسانی نے اپنے کتنے ہی جھوٹے خدا دیکھے ہیں، جو ذلت اور پھر فنا کے گھاٹ اتار دیے گئے، مگر حقیقی رب ہمیشہ سے زندہ اور قائم ہے، جو قادر مطلق، مقتدر اعلیٰ اور عزتوں کا مالک ہے۔ (سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم)

اب سوچ میرے دوست خدا ہے کہ نہیں ہے

نظریاتی اختلاف اور سوشل بائیکاٹ

توحید کا حسین تقاضا یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے، وہاں غیروں کی الوہیت وربوبیت باطلہ کا انکار بھی کیا جائے، صرف انکار ہی نہیں، بلکہ مشرکین اور ان کے شرکاء سے عداوت کا اعلان بانگ دہل کیا جائے، اسی پر بس نہیں بلکہ موحد انسان اپنے پختہ نظریات اور اٹل عقائد کی وجہ سے اللہ کے دشمن کے دل میں کھٹکتا رہے۔

اسی طرح کی عداوت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مول لی، اور قوم سے براءت کا اعلان ڈنکے کی چوٹ کیا، قوم کے عقائد کی نفی کی، ان کے خداؤں کا قلع قمع کیا، حکمران سے ٹکر لی، باپ اور قوم کی محبتوں کی پرواہ نہ کی، پھر قرآن مجید نے بھی آپ علیہ السلام کے اس عمل کو "کلمہ باقیہ" قرار دیا اور رہتی دنیا تک بنی نوع انسان کیلئے ایمان کا معیار بنا دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؗ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا

وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ○ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ○﴾ [سورہ ممتحنۃ: ۴ تا ۶]

یعنی: ''تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں میں بہترین نمونہ ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے انکاری ہیں، جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ، ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کیلئے بغض وعداوت واضح طور پر ہے، البتہ ابراہیم علیہ السلام کی اتنی بات اپنے باپ سے کہ میں تمہارے لئے بخشش کی دعا کروں گا اور میں اللہ کے سامنے تمہارے لئے کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں رکھتا، اے ہمارے پروردگار! تجھی پر ہم نے بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری طرف ہی لوٹ جانا ہے، اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کیلئے فتنہ نہ بنا دینا، اے ہمارے رب! ہماری خطاؤں کو بخش دے، بیشک تو ہی غالب حکمتوں والا ہے، بلاشبہ تمہارے لئے ان میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کیلئے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی ملاقات کی امید رکھتا ہے، اگر کوئی روگردانی کرے تو اللہ تعالی بالکل بے نیاز اور حمد کا سزاوار ہے۔

یہی بات دوسرے مقام پر ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے ان الفاظ میں بھی مرقوم ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ○ إِلَّا الَّذِي

فَطَرَنِیْ فَاِنَّہٗ سَیَھْدِیْنِ○ وَجَعَلَھَا کَلِمَۃً بَاقِیَۃً فِیْ عَقِبِہٖ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ○﴾ [سورہ زخرف: ۲۶ تا ۲۸]

یعنی: ''ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد اور قوم سے فرمایا: ''جن کی تم عبادت کرتے ہو میں ان سے بیزار ہوں، سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے ہدایت بھی دے گا'' پس آپ نے اس کو اپنے پچھلوں کیلئے کلمہ باقیہ بنا دیا تا کہ وہ شرک سے باز آتے رہیں۔''

لمحہ فکریہ

ان مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے جو ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں، توحید کے متوالے تو بنتے ہیں مگر مشرکین سے نفرت نہیں کرتے، شرک کا رد نہیں کرتے، ان کے شادی بیاہ غیر مسلموں جیسے، ان کے مراسم مشرکین کے ساتھ۔ کیسے دو رنگے مسلمان ہیں کہ کلمہ طیبہ کا اقرار بھی کرتے ہیں مگر'' جہاں کوئی لگا ہے لگا رہے'' کے سنہری کلیہ پر بھی عمل پیرا ہیں؟ کیا یہ لوگ توحید کا حق ادا کر رہے ہیں؟ کیا ایمانی کمزوری ان کا مقدر تو نہیں؟

عمل: سیرت ابراہیم علیہ السلام سے توکل کا درس۔

سیرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ صاف گوئی اور بے باکی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں اور مادی سہارے چھن جائیں، لوگ مدد کرنے سے دستکش ہو جائیں مگر اللہ پر مکمل توکل، کامل یقین اور اکمل بھروسہ رکھا جائے، غیروں پر توکل کرنا اور ان کے سہارے کو قوی سمجھنا رب کے سہارے اور اس پر توکل میں کمزوری دکھانا شرک ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ بار بار ارشاد فرما رہے ہیں:

﴿وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ○﴾ [سورہ ابراھیم: ۱۲]

یعنی: ''توکل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝﴾ [سورہ عمران :۱۶۰، ابراھیم :۱۱]

یعنی: ''مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل رکھنا چاہیے۔''

نبی کریم ﷺ کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے کہ:

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۝﴾ [سورہ احزاب :۴۸]

یعنی: ''اللہ تعالیٰ پر توکل رکھو وہ بگڑی بنانے کے لیے کافی ہے۔''

یہ حکم اسی لیے دیا کہ:

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ [سورہ طلاق:۳]

یعنی: ''اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرلے تو وہ اسے کافی ہو جاتا ہے۔''

....

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے گھر سے نکلتے وقت باپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کیلئے بخشش کی دعا کرتا رہوں گا، مگر جب یقین ہوگیا کہ ہدایت اس کی قسمت میں نہیں، یہ رب کا پکا باغی ہے تو اس وعدے سے بھی باز آجانے کا اظہار کیا جس کا ذکر سورۂ توبہ میں اس طرح ہے:

﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ۝﴾ [سورہ توبۃ ۱۱۴]

یعنی: ''ابراہیم علیہ السلام باپ سے کیے گئے وعدے کی وجہ سے اس کیلئے بخشش کی دعا کرتے رہے، جب آپ علیہ السلام کے لیے واضح ہو گیا کہ یہ تو رب تعالیٰ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس سے بھی بیزاری اختیار کر لی، بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام بڑے ہی نرم دل تحمل والے تھے۔''

عمل: اختیارات اور تصرفات کا مالک صرف اللہ ہے

﴿وَمَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ......۝﴾ [سورہ ممتحنۃ:۴]

یعنی: ''میرے پاس کوئی اختیار اور ملکیت نہیں کہ میں ہرصورت آپ کو بخشوا کر جنت میں لے جاؤں۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ کسی پیر فقیر بڑے یا چھوٹے حتی کہ نبی کے پاس بھی کوئی اختیار نہیں، یہ اختیارات صرف اللہ تعالی کے پاس ہیں کہ کسی کو معاف کرے یا نہ کرے، کسی کو بخشے یا نہ بخشے، کسی کو ہدایت دے یا نہ دے۔

لہٰذا ان لوگوں کا عقیدہ باطل ہے جو کہتے ہیں کہ ہمیں فلاں حضرت بخشوالیں گے ،وہ اللہ کے پیارے ہیں، اللہ نے ان کو اختیار دے رکھا ہے، یہ لوگ خود اپنے زعم میں ان لوگوں کو اللہ کے اختیارات دے کر ان کی آڑ میں اپنے عمل بھی چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے بڑی اونچی سرکار کا دامن پکڑا ہوا ہے، ہمیں عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ،وہ ہمیں خود بخشوالیں گے۔

جب کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سیرت ہمیں پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ انبیا جیسے عظیم المرتبت لوگ بھی دوسروں کو تو کجا اپنوں کو بھی نہیں بخشوا سکتے۔آپ نے لوگوں کو یہ بھی کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ پیر کا بیٹا پیر ہی ہوتا ہے یعنی وہ بھی پہنچی ہوئی سرکار اور اعلیٰ حضرت ہیں، حالانکہ بعض اوقات یہ پیر زادہ بہت بڑا ڈاکو، زانی، شرابی، بدکردار، تارکِ شریعت اور دین سے بیزار ہوتا ہے، مگر پھر بھی لوگوں کے لیے ولایت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوتا ہے گویا کہ ان لوگوں نے صرف حسب و نسب کو ہی اخروی کامیابی اور آسمانی بادشاہت میں داخلے کے لیے کافی سمجھ لیا ہے حالانکہ وہاں جو چیز کام آئے گی وہ صرف اور صرف توحید کے بعد کیے جانے والے نیک اعمال ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ)) [1]

---

[1] صحیح مسلم :کتاب الذکر والتوبہ، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر ، حدیث: ۶۸۵۳

ترجمہ: ''اور جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ دے اس کو اس کا حسب ونسب آگے نہیں لے جا سکے گا''۔

بلکہ جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام فرماتے تھے:

﴿فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَإِنَّهٗ مِنِّيْ﴾ [سورہ ابراھیم:۳۶]

یعنی: ''جو میری اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہے''

عمل: مشرک رشتہ داروں کے لیے دعا کی ممانعت

کوئی شک نہیں کہ کلیجہ منہ کو آ لگتا ہے کہ جب کسی مسلمان کا باپ، بھائی، بیٹا یا ماں جیسے قریبی رشتہ دار شرک پر مر جائیں اور ادھر ان کے لئے دعا کرنا ممنوع قرار دیا جائے، مگر جو آدمی اسلام کی حقانیت اور اس کی اہمیت سے واقف ہوتا ہے وہ ڈگمگانے کی بجائے ''سمعنا و اطعنا'' کا مصداق ٹھہر کر دین پر استقامت اختیار کرتا ہے۔

....

روزِ محشر آزر کا حشر

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سیدنا ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے والد کو اس حال میں دیکھیں گے کہ منہ پر سیاہی اور گرد وغبار چڑھا ہوا ہے، آپ علیہ السلام باپ سے فرمائیں گے کہ میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو؟ باپ کہے گا: ''آج میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا'' پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے رب سے کہیں گے: ''اے اللہ! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تجھے رسوا نہیں کروں گا، اس سے بڑھ کر میری ذلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ میرا باپ ذلیل ہو رہا ہے اور تیری رحمت سے محروم ہے'' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے'' پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کہا جائے گا: ''ذرا پاؤں کے نیچے دیکھو'' وہ دیکھیں گے تو ایک نجاست سے لتھڑا ہوا بجو نظر آئے گا، پھر اسے پاؤں سے پکڑ کر جہنم

میں ڈال دیا جائے گا۔"❶

اس طرح آپ علیہ السلام کے والد کو بجو کی شکل دے کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، تاکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا وہ حزن و ملال جاتا رہے جو آزر کو بشکل انسانی رہنے کی صورت میں جہنمی ہونے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا، تاکہ وہ اس کی بد ہیئت کو دیکھ کر متنفر نہ ہوں اور فطرت ابراہیمی بیزار نہ ہو۔

سفرِ ہجرت اور اس کے نشیب و فراز

جب آزر، نمرود اور قوم پر تبلیغ کی ہر جحت قائم ہو چکی تو آپ علیہ السلام کو ہجرت کرنے کا حکم ہوا تاکہ اس باغی قوم پر عذاب الٰہی مسلط کیا جائے تو آپ علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ بنت ہاران اور اپنے بھتیجے سیدنا لوط علیہ السلام کو ساتھ لیا اور فرمایا:

﴿اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۝﴾ [سورہ صافات: ۹۹]

یعنی: "میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں وہ عنقریب میری راہنمائی فرمائے گا۔"

﴿وَنَجَّیْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ۝﴾

[سورہ انبیاء: ۷۱]

یعنی: "اللہ فرماتے ہیں: ہم نے اس کو اور لوط کو اس مقدس زمین کی طرف بھیج کر نجات دلائی جس میں ہم نے جہانوں والوں کیلئے برکتیں ڈال رکھی ہیں۔"

چنانچہ آپ علیہ السلام دریائے فرات کے کنارے کنارے چلتے ہوئے حران تشریف لائے، اہل حران پر بھی تبلیغ بے اثر رہی لہٰذا وہاں سے ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے اور ارض فلسطین میں جا پہنچے، یہاں آپ علیہ السلام نے گزران کے لئے بھیڑ بکریاں رکھ لیں، جن میں خوب اضافہ ہوا مگر قحط کی وجہ سے سبزہ ختم ہو گیا، بھتیجے لوط بن ہاران کو (جو پیغمبر خدا بن چکے تھے) یہاں تبلیغ کیلئے چھوڑا اور خود مصر کی راہ لی۔

یہاں کا فرعون سنان بن علوان یا سنان بن زقیون بہت بدقماش انسان تھا، لوگوں

❶ (صحیح بخاری: کتاب الانبیاء، باب قول اللہ واتخذ اللہ ابراهیم خلیلا، حدیث: ۳۳۵۰)

کی خوبصورت بیویوں کو چھین لیتا اور خاوندوں کو قتل کروا ڈالتا تھا۔

عزت وناموس کی آزمائش

اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندوں کی عزتوں کی حفاظت فرماتا ہے

جب اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ ایک قافلہ آیا ہے جسمیں ایک خوبصورت عورت ہے، تو اس نے چیلوں کے ذریعے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بلوا بھیجا، اس کو حکم دیا کہ بیوی کو میرے حوالے کردو۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم کی روایت کے مطابق جب سیدہ سارہ علیہا السلام کو اس کے پاس بلوایا گیا، تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "اے سارہ! میں آپ کو اپنی بہن بتا چکا ہوں، آپ مجھے جھوٹا نہ کرنا" چنانچہ جب سیدہ سارہ علیہا السلام بادشاہ کے پاس پہنچیں، تو اس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی، مگر اس کا ہاتھ شل ہوگیا، اس نے سیدہ سارہ علیہا السلام سے دعا کی اپیل کی، انہوں نے دعا کی تو اس کا ہاتھ درست ہوگیا، وہ باز نہ آیا اور دوبارہ دست درازی کی کوشش کی لیکن پھر ہاتھ شل ہوگیا، کہنے لگا: اس دفعہ دعا کریں، اگر مجھے عافیت مل گئی تو تجھے چھوڑ دوں گا، وہ یہ جان چکا تھا کہ یہ کوئی معمولی عورت نہیں، سیدہ سارہ علیہا السلام نے دعا کی اور ہاتھ درست ہوگیا، اب اس نے نہ صرف آپ کو چھوڑ دیا بلکہ اپنی بیٹی ہاجرہ کو بھی آپ کی خدمت کیلئے وقف کردیا۔

آپ علیہا السلام ہاجرہ کو ساتھ لے کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس آئیں، ادھر آپ علیہ السلام مصلے پر نماز اداء کررہے ہیں اور اپنی حرمت کی حفاظت کی دعائیں کررہے ہیں، نماز سے فارغ ہوئے اور معاملے کا حال پوچھا تو سیدہ سارہ علیہا السلام نے قصہ سنایا اور فرمایا کہ اللہ تعالی نے مجھے کافر کے شر سے نجات دی ہے اور اس نے خدمت کیلئے ہمیں اپنی بیٹی وقف کردی ہے، اس پر آپ علیہ السلام نے اللہ تعالی کی حمد بیان کی۔ [1]

---

[1] (صحیح بخاری: کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالی، ﴿واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا﴾ حدیث: ۳۳۵۸، صحیح مسلم: کتاب الفضائل، باب من فضائل ابراہیم، حدیث: ۲۳۷۱)

عمل : انسان عزت کی تلاش میں شرک کی شاہراہ پر

لہٰذا سیرت ابراہیم علیہ السلام کا حیات آفریں تقاضا ہے کہ عزت و ذلت کے اختیارات اللہ ہی کے ہاتھ میں سمجھے جائیں اور یہ عقیدہ ہو کہ ہر قسم کا وقار، سٹیٹس، اقتدار اور کرسی دینے والا اور چھیننے والا آن کی آن میں ذلیل و رسوا اور بے یاور و مددگار کرنے والا صرف اور صرف اللہ ربِ عرشِ عظیم ہے۔ مگر بڑی بڑی ڈگریوں والے بیسیوں تمغے سجانے والے حتیٰ کہ نام نہاد حکمران طبقہ کو دیکھا گیا ہے کہ اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کی خاطر' کرسی مضبوط کرنے کے لیے غیروں کی قدم بوسیاں کر رہے ہیں۔ اپنا ضمیر بیچ رہے ہیں، اللہ کے باغی غیر مسلم ممالک کو سپر پاور سمجھا ہوا ہے۔ کاش کہ یہ لوگ ایسا اعتقاد رکھ لیتے کہ اقتدار و کرسی، عزت و ذلت رب تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جب تک جسے چاہے گا اسے ملے گی۔

دوسرا رخ اس طرف ہے کہ اسی کرسی کے حصول کے لیے یہ نام نہاد مسلمان حکمران درباروں پر جاتے ہیں اور کبھی دھکے شاہ سے چھڑیاں کھا آتے ہیں کہ کرسی مل جائے، اس عارضی عزت کے حصول میں ایڈوانس سوٹے کھا کر ذلت حاصل کر لیتے ہیں کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کو بھول گئے ہیں:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [سورہ عمران:26]

یعنی: ''فرما دیں کہ اے اللہ سلطنت کا مالک تو ہی ہے، جسے چاہتا ہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے بادشاہت چھین لیتا ہے، تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

....

آپ علیہ السلام یہاں سے واپس لوٹے اور ارضِ فلسطین میں ''السبع'' کے مقام پر

فروکش ہوئے، جو صحرائے شام کے جنوب میں واقع ہے، ادھر لوط علیہ السلام کو آپکی واپسی کی خبر ملی تو وہ بھی آپ علیہ السلام کو اسی مقام پر آ ملے۔

کچھ عرصہ یہاں قیام کرنے کے بعد آپ علیہ السلام نے لوط علیہ السلام کو تبلیغ کیلئے فلسطین کے علاقہ مؤتفکہ کے شہر سدوم اور اس کی نواحی بستیوں میں بھیج دیا اور خود ہجرت کر کے مقامِ حبرون آ کر قیام کیا، جس کا نام بعد میں الخلیل پڑ گیا، اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر اسی (۸۰) برس ہو چکی ہے، اللہ کا حکم نازل ہوتا ہے کہ ختنہ کرو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''ابراہیم علیہ السلام نے اسی (۸۰) سال کی عمر میں تیشے کے ساتھ اپنا ختنہ خود کیا۔''❶

سچ بولتے ہیں وہ جھوٹ کی عادت نہیں انہیں

صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ایک حدیث کے مطابق روز قیامت انبیاء علیہم السلام کا امتوں کو رب کے سامنے سفارش کرنے سے انکار اور اپنی اپنی لغزش بیان کر کے عذر کرنا مذکور ہے، اس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ بھی ہے کہ وہ کہیں گے، میں بھی آپ لوگوں کی سفارش نہیں کرسکتا، کیونکہ میں نے تو تین جھوٹ بولے تھے،'' انی سقیم'' (میں مریض ہوں) کہا تھا ''بل فعله کبیرهم هذا'' (بلکہ یہ ان کے اس بڑے نے کیا ہے) کہا تھا اور اپنی بیوی سارہ کو بہن کہا تھا، لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں سفارش نہیں کرسکتا، اسی طرح صحیح بخاری، صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لم یکذب ابراهیم نبی الله قط الا ثلاثا ......۔''

ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹوں کے علاوہ کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولا اور ان میں سے دو اللہ کیلئے اور ایک اپنی ذات کیلئے، جس میں اپنی بیوی کو بہن کہا تھا۔❷

---

❶ (صحیح بخاری: کتاب الانبیاء، باب قول الله تعالی ﴿واتخذالله ابراهیم خلیلا﴾ حدیث: ۳۳۵۶، صحیح مسلم: کتاب الفضائل، باب من فضائل ابراهیم، حدیث: ۲۳۷۰)

❷ (صحیح بخاری: کتاب الانبیاء باب قول الله تعالی ﴿واتخذ الله ابراهیم خلیلا﴾ حدیث: ۳۳۵۷، ۳۳۵۸) صحیح مسلم: کتاب الفضائل، باب من فضائل ابراهیم، حدیث: ۲۳۷۱)

اعتراض: بعض ناعاقبت اندیش لوگ' جنھیں منکرینِ حدیث کا لقب دیا جا سکتا ہے' مذکورہ بالا حدیث کے مفہوم کو نہ سمجھ سکے اور عصمتِ انبیاء کا سہارا لیتے ہوئے اسے جھوٹ پر مبنی قرار دیا۔

جواب: ان لوگوں نے اپنی کج فہمی کی بنا پر جو اعتراض درج بالا حدیث پر کیا' وہی اعتراض قرآن مجید پر ہوتا ہے' کیونکہ حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے: ''میں بیمار ہوں' بتوں کو توڑنے والی شرارت بڑے بت نے کی ہے اور سارہ میری بہن ہے۔

ان تین میں سے پہلی دو چیزوں (انی سقیم اور **بل فعله كبيرهم**) کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ خدا جانے کہ اب یہ لوگ اس آیت مبارکہ کے بارے میں کیا کہیں گے؟؟؟

دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ کا تعلق ''باب المعاریض'' سے ہے۔ یعنی یہ ایسی کلام ہے جسے سننے والا جھوٹ محسوس کرے گا لیکن تحقیق وتفتیش کے بعد وہ اس کے جھوٹ نہ ہونے کو تسلیم کرے گا' کیونکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی کلام میں دونوں چیزوں کا احتمال پایا جاتا ہے۔ یہ کلام حقیقتِ حال میں سچ ہے لیکن بظاہر اور از روئے حال خلاف واقعہ ہے۔ تینوں کی تفصیل یوں ہے:

1. ''انی سقیم'' یعنی: ''میں بیمار ہوں۔''

سننے والا اس جملے کو خلافِ واقعہ سمجھ کر اسے جھوٹ تصور کرے گا۔ لیکن درحقیقت اس کے درج ذیل تین معانی ہو سکتے ہیں:

(أ) میں بیمار ہو جاؤں گا۔ اس تاویل کہ وجہ یہ ہے کہ اسم فاعل فعل مضارع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس میں فعل مستقبل کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔

(ب) مجھے موت کی بیماری ہے۔

(ج) تمہارے ساتھ نکلنے کے مسئلہ پر میں ''سقیم الحجۃ'' ہوں، یعنی میرے پاس دلیل نہیں ہے کہ میں تمہارے ساتھ نکلوں۔

ان تین تاویلات کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بات خلاف واقعہ نہ رہے گی جیسا کہ سامع نے سمجھا۔

۲ "بل فعله كبيرهم" یعنی: "بتوں کو توڑنے والی کاروائی بڑے بت نے کی ہے۔"
یہ محض قوم کو ڈانٹ ڈپٹ اور لاجواب کرنے کا ایک انداز ہے۔ اسی لئے قوم نے جواباً سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹ کے معاملے میں موردِ الزام نہیں ٹھہرایا۔
امام قرطبی نے کہا: دراصل بتوں کی عاجزی و درماندگی ثابت کرنے کے لئے یہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تمہیدی کلمات تھے۔ اسی لئے تو آپ علیہ السلام نے فوراً یہ مطالبہ کیا کہ:
"فاسئلوهم ان كانوا ينطقون" یعنی: اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے خود پوچھ لو۔
یہ حقیقتِ حال ہے' لیکن بہرحال اگر الفاظ کے ظاہر کو دیکھا جائے تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بات خلاف واقعہ ہے' اسی کو جھوٹ سے تعبیر کیا گیا' جو نام نہاد عقلمندوں کو سمجھ نہ آسکا۔

۳ سارہ میری بہن ہے۔
یہ تو بالکل واضح ہے کہ چونکہ سارہ آپ علیہ السلام کی بیوی تھیں' انھیں بہن کہنا بظاہر خلاف واقعہ ہے' لیکن اگر گہرائی تک پہنچا جائے تو وہ آپ علیہ السلام کی نہ صرف اسلامی بہن تھیں بلکہ چچا زاد بہن بھی تھیں۔ اسلئے یہ جملہ حقیقت میں جھوٹ نہیں ہے' بس بظاہر خلاف واقعہ ہے۔ (فتح الباری)
تنبیہ: اگر کسی کا ذہن مذکورہ بالا حقائق تک رسائی حاصل نہ کر سکے تو کم از کم وہ یہ بات ذہن نشیں کر لے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مفہوم کے مطابق ناگزیر حالات میں جھوٹ بولنا جائز ہے' بالخصوص وہاں جہاں اس کا فائدہ واضح ہو۔

ذبیح اللہ علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر تقریباً چھیاسی (۸۶) برس ہو چکی تھی، عام انسانوں کی طرح اولاد جیسی بیش قدر نعمت کا ہر انسان خواہشمند ہوتا ہے، رب تعالی سے دعائیں

مانگ رہے تھے:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝﴾ [سورۃ صافات: ۱۰۰]

یعنی: ''اے میرے پروردگار مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔''

رب تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور فرمایا:

﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ۝﴾ [سورۃ صافات: ۱۰۱]

یعنی: ''ہم نے آپ علیہ السلام کو ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔''

عمل : بیٹے کون دیتا ہے

سیرت ابراہیم علیہ السلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد صرف اللہ ہی دے سکتا ہے اسی سے اولاد مانگنی چاہیے۔ اللہ کی ذات سے اولاد مانگنے میں مایوس اور ناامید ہونا گمراہی اور غلطی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو بڑھاپے میں بھی اولاد نصیب کرنے پر قادر ہے۔ اسی طرح اولاد ملے تو ان کے نام بھی اچھے رکھنے چاہییں۔ شرکیہ نام نہیں کیونکہ یہ کفرانِ نعمت ہے۔ اولاد ملے تو پھر ہر طرح کا شکریہ اور منت منوتی بھی اللہ تعالیٰ کے نام کی کرنی چاہیے۔

اور اسی طرح اولاد کی زندگی کے ہر لمحے میں انکی خیر و برکت کا سوال اور شر، مصیبت اور دکھ تکلیف کے دور ہونے کا سوال اللہ تعالیٰ سے کرنا چاہیے۔

لوگوں کی اکثریت کا حال

آج کتنے ہی لوگ ہیں کہ ملت ابراہیم علیہ السلام سے روگردانی کر کے توحید کا دامن چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اور غیروں سے مانگتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے۔

ے یا پیر شاہ جمال
پتر دے دے رتا لال

کوئی کہتا ہے:

لے لے ککڑ دے دے پتر

کوئی کہتا ہے:

؎ یا پیر کروڑی لے لے گڑ دی روڑی
دے دے پتراں دی جوڑی

اپنی اولاد کے نام بھی غیروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً پیر بخش، ولی بخش، علی بخش، نبی بخش، ولی داد اور پیراں دتہ وغیرہ۔

ظلم کی انتہا ہے جب کہیں بیٹی مل جائے پیر سے متنفر نہیں ہوتے کہ یہ بیٹا دے سکتا ہوتا تو دے دیتا بلکہ کہتے ہیں "چلو اللہ کے کام ہیں، بیٹی بھی تو اللہ کی رحمت ہے"۔ یعنی بیٹے ان کے مرشد دیتے ہیں اور بیٹیاں اللہ دیتا ہے۔ یہ تو وہی عقیدہ ہے جو کہ مشرکینِ مکہ کا تھا، فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بناتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ اپنے لیے بیٹے بناتے ہو اور میرا شریک بنایا بھی تھا تو بیٹوں کی بجائے بیٹی میرے لیے پسند کی ہے، کتنی بے عقلی ہے۔

﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝﴾

[سورہ نجم: ۲۱،۲۲]

یعنی: "کیا تمہارے لیے لڑکے اور اللہ کے لیے لڑکیاں ہیں یہ تو بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے"

غیروں سے مانگنے والوں نے بارہا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ ان کے کتنے ہی پیر و مرشد خود اولاد سے محروم گذر گئے، مگر وہ سبق حاصل نہیں کرنا چاہتے، سو وہ نہیں کرتے، انہیں عقل و شعور سے چڑ ہے، اسی لیے اس سے کوسوں دور ہیں۔ سچ ہے کہ مشرک کی عقل ہی الٹ ہوتی ہے۔ آیئے قرآن کریم سے چند مقامات کی سیر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کتنا واضح ارشاد فرمایا کہ اولاد میں دیتا ہوں، جسے چاہتا ہوں اور جن سے تم اولادیں مانگتے ہو وہ تو بے بس ہیں، خود مخلوق ہیں۔

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ

عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾ [سورہ شوریٰ: ۴۹، ۵۰]

یعنی: ''آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ وہ بڑے علم والا قدرت والا ہے''

اور لوگ جن سے اولاد مانگتے ہیں، ان کی حیثیت بھی اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بے حیثیت کر دی ہے۔

﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا﴾

[سورہ فرقان: ۳]

یعنی: ''انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو الہ بنا لیا ہے جو کچھ بھی نہیں پیدا کر سکتے۔ بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور نہ وہ اپنے ہی نفع ونقصان کے مالک ہیں اور نہ وہ موت وحیات اور قیامت کے دن جی اٹھنے پر قادر ہیں''

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ [سورہ الحج: ۷۳، ۷۴]

یعنی: ''لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے ذرا غور سے سننا! اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو وہ بھی اس سے نہیں چھین سکتے۔ بڑا ہی کمزور ہے مانگنے والا اور بڑا ہی کمزور ہے جس سے مانگا جارہا ہے۔ انھوں نے اللہ کے مرتبے کے مطابق اس کی قدر جانی ہی

نہیں اللہ تعالیٰ بڑا ہی زور وقوت والا اور غالب اور زبردست ہے"۔

اسی طرح قبروں میں مدفون حضرات سے اولادیں اور مرادیں مانگنے والوں کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۝﴾ [سورہ نحل ۲۱،۲۰]

یعنی: "جن جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں وہ مردے ہیں، زندہ بالکل نہیں، انہیں تو یہ بھی شعور نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے"۔

عمل: ہمیشہ صالح اولاد کی دعا

کیونکہ آپ علیہ السلام جانتے تھے کہ اولاد ایک نعمت تو ہے مگر اس وقت جب وہ نیک ہو، کیونکہ نیک اولاد ہی آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سکون اور روح کا قرار ہو سکتی ہے اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، ان کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری اولاد کی نیکی ہی کے آثار میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اولاد کی دعائیں کرتے وقت نیک ہونے کا ذکر نہیں کرتے، بعد میں اولاد کے ہاتھوں ہی سخت پریشان ہوتے ہیں، بلکہ ایسی اولادیں تو دنیا اور آخرت کے لئے وبال بن جاتی ہیں۔

لہٰذا ہر وہ انسان جو اولاد کا خواہشمند ہو اس کے لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سیرتِ طیبہ انمول نمونہ ہے کہ اولاد طلب کرتے ہوئے ان کی نیکی، تقوی، اطاعت شعاری کا ذکر کرنا قطعاً نہ بھولے۔

....

اکثر مفسرین کے نزدیک سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے جو دعائیں مانگ کر لئے تھے، وہ اسماعیل علیہ السلام ہیں، جو سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے اور یہی اکلوتے بیٹے ہیں جن کی قربانی اللہ تعالیٰ نے مانگی اور انہیں کو ذبیح اللہ کے پر افتخار

لقب سے ملقب کیا جاتا ہے، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ سیدنا اسحاق علیہ السلام ذبیح اللہ ہیں، نہ کہ اسماعیل علیہ السلام، ان کی یہ رائے درست نہیں، کیونکہ قرآن کے سیاق وسباق، تاریخ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ ذبیح اللہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں، مثلاً:

❶ قربانی کیلئے خود تیار ہو جانا یہ حلم وبردباری کی اعلیٰ مثال ہے اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی بشارت پر ﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾ کہہ کر بردباری کی صفت کا تذکرہ کیا گیا ہے جبکہ سیدنا اسحٰق علیہ السلام کی بشارت پر ﴿بِغُلَامٍ عَلِيمٍ﴾ علم کی صفت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

❷ یہ بات بھی اتفاقی ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہیں اور چھوٹے بیٹے سیدنا اسحٰق علیہ السلام ہیں، لہٰذا بڑا بیٹا ہی اکلوتا ہو سکتا ہے، جس کی قربانی زیادہ معنی رکھتی ہے۔

❸ قرآن کریم میں اکثر مقامات پر پہلے اسماعیل علیہ السلام اور پھر اسحٰق علیہ السلام کا ذکر ہے اور یہ کہ سیدنا اسحٰق علیہ السلام کی بشارت دیتے ہوئے یہ فرمایا گیا ہے کہ:

﴿مِنْ وَّرَآءِ إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ﴾

یعنی: ''ہم نے آپ کو اسحٰق علیہ السلام کی بشارت دی اور ان سے ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی''

بھلا جس کی پیدائش پر اس کی زندگی اور پھر اولاد کے ہونے کا ذکر کیا جائے، پھر اس کی قربانی مانگی جائے، کوئی وزن رکھتی ہے؟ یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی معلوم ہو کہ یہ میرا بیٹا ذبح نہ ہوگا، کیونکہ اس سے تو ابھی میرا پوتا یعقوب علیہ السلام پیدا ہونا ہے، تو پھر یہ آزمائش کیسی ہوئی اور قربانی کونسی؟ بلکہ سیاق قرآن گواہی دے رہا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کی قربانی میں کامیاب ہونے پر بطور انعام اسحٰق علیہ السلام کی بشارت ملی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّآ أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝ وَنَادَيْنَٰهُ أَنْ يَّآ إِبْرَٰهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَآ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَٰٓؤُا الْمُبِينُ ۝ وَفَدَيْنَٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَٰمٌ عَلَىٰ

اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾ [سورہ صافات: ۱۰۳ تا ۱۱۲]

یعنی قربانی دینے میں کامیابی پر آپ علیہ السلام کو مینڈھا دیا گیا اور یہ بشارت دی گئی کہ ہم آپ علیہ السلام کو ایک اور بیٹا بھی دیں گے، جس کا نام ہم نے خود اسحٰق رکھا ہے اور ہم اس کو نبی اور صالح بنائیں گے۔

گویا کہ مندرجات قرآن کی روشنی میں ذبیح اللہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں نہ کہ اسحٰق علیہ السلام۔

بیوی بچے جیسا بیش بہا اثاثہ بے آب و گیاہ جنگل کے حوالے آخر کیوں؟

سچ ہے کہ انسان جتنا عظیم ہو اس پر آزمائشیں بھی اتنی ہی عظیم ہوتی ہیں، آپ علیہ السلام نے اکلوتا بیٹا دعاؤں سے مانگ کر لیا تھا، مگر پیدا ہوتے ہی اللہ ذوالجلال کا حکم آتا ہے کہ اسے اور اس کی والدہ کو ویران جگہ پر تنہا چھوڑ دو۔ جد الانبیاء، پیکرِ وفا علیہ السلام نے یہاں بھی سر تسلیم خم کیا اور فارانی پہاڑیوں کی وادیٔ بطحاء میں کہ جہاں چارسو خشک اور سنگلاخ پہاڑ، کانٹے دار جھاڑیوں کی کثرت اور سینکڑوں میل تک بشر کا نام ونشان نہیں، پانی تلاش کرنے سے نہیں ملتا، دونوں ماں بیٹا کو جنگلات کے حوالے کر کے خیرباد کہہ دیا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سیدہ ہاجرہ علیہا السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو وہاں چھوڑا جہاں آجکل مسجد حرام واقع ہے اور ان کو ایک بڑے درخت کے نیچے بٹھا دیا جہاں آجکل زم زم ہے، اس وقت مکہ میں آدمی کا نام و نشان تک نہ تھا اور نہ ہی پانی تھا، البتہ بیت اللہ کی بنیادوں کے نشان باقی تھے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دونوں کو ایک تھیلا کھجوروں کا اور ایک مشکیزہ پانی کا دیا اور واپس چل

دیئے، سیدہ ہاجرہ علیہا السلام ان کے پیچھے دوڑیں اور پوچھا کہ اے اللہ کے خلیل! ہمیں یہاں بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو، یہاں تو کوئی انسان بھی نہیں؟ مگر آپ علیہ السلام خاموش رہے، انہوں نے بار بار پوچھا مگر آپ علیہ السلام خاموشی سے چلتے رہے، پھر انہوں نے کہا: اتنا تو بتاؤ کہ کیا آپ ہم پر ناراض ہو کر ہمیں یہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں یا اللہ تعالی کے حکم سے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالی کے حکم سے، تو سیدہ ہاجرہ علیہا السلام نے کہا: ''اچھا پھر اللہ تعالی ہمیں ضائع نہیں کرے گا'' یہ کہہ کر واپس بچے کے پاس پلٹ آئیں، جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کدا کی راہ میں مقام ثنیہ پر پہنچے تو دونوں کو آنکھوں سے اوجھل پایا اور کھڑے ہو کر یہ دعا کی:

﴿رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝﴾

[سورہ ابراھیم: ۳۷، ۳۸]

یعنی: ''اے اللہ کریم! میں اپنی اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے نزدیک ایک ایسی وادی میں بسائے جا رہا ہوں کہ جہاں کوئی کھیتی نہیں ہوتی، اے ہمارے رب! تا کہ وہ نماز کو قائم کریں پس تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ وہ ان کی طرف جھک جائیں، انہیں ہر طرح کے پھلوں سے رزق عطا کرتے رہنا تا کہ وہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں، اے اللہ! تو ہماری چھپی ظاہری ہر بات خوب جانتا ہے، اللہ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔''

عمل: اللہ کے پاس ہی رزق کے خزانے ہیں

سیرت ابراہیم علیہ السلام میں انکی ادعیہ مسنونہ کا جامع تقاضا ہے کہ رزق دینے والا اللہ

تعالیٰ کو ہی سمجھنا چاہیے اور پھر اس پر شکر گزاری بھی اسی ذات کی ہی کرنی چاہیے‘ دنیا کی کوئی چھوٹی یا بڑی ہستی ایسی نہیں جو مافوق الاسباب رزق دینے والی یا رزق میں برکت نازل کرنے والی ہو‘ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اسی لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو فرمایا تھا کہ یہ تمہارے بنائے ہوئے معبود رزق کے مالک نہیں، رزق بھی اللہ سے مانگو اور عبادت بھی اسی کی کرو جو تمھارا رازق ہے، ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝﴾ [سورہ عنکبوت:۱۷]

یعنی: ’’بلا شبہ جن لوگوں کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو، وہ تمھیں رزق دینے کی کوئی ملکیت نہیں رکھتے، پس تم اللہ کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکریہ بجالاؤ، تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔‘‘

اتنے واضح بیان کے باوجود کتنے ہی لوگ ہیں جو مخلوق کو رزق دینے والا اور برکت ڈالنے والا سمجھتے ہیں، اسی لیے اپنے جانوروں‘ کھیتیوں اور دولت میں سے ان کے نام کا حصہ نکالتے ہیں، یوں غیروں کو اللہ کا شریک بناتے اور شرک کرتے ہیں، کیا انھوں نے اللہ تعالیٰ کو رزق دینے سے عاجز سمجھا ہوا ہے؟

جن سے یہ رزق مانگتے ہیں، انھیں کون رزق دیتا ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں بڑی وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ رزق کا ضامن میں ہوں، جن سے تم رزق مانگتے ہو وہ کچھ بھی ملکیت نہیں رکھتے، فرمایا:

﴿وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا ۝﴾ [سورہ ہود:۶]

یعنی: ’’زمین میں چلنے پھرنے والے ہر جاندار کی روزی اللہ تعالیٰ پر ہے۔‘‘

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ هَلْ مِن شُرَكَائِكُم مَّن يَفْعَلُ مِن ذَٰلِكُم مِّن شَيْءٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝﴾ [سورہ روم:۴۰]

یعنی: ''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر روزی دی، پھر مارے گا، پھر زندہ کرے گا' بتاؤ، کیا تمھارے شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان میں سے کچھ بھی کر سکتا ہو، اللہ تعالیٰ کے لیے پاکیزگی ہے اور وہ برتر ہے، ہر اس شریک سے جو یہ لوگ مقرر کرتے ہیں۔''

نیز دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۝﴾

[سورہ فاطر:۳]

یعنی: ''لوگو! تم پر جو اللہ تعالیٰ نے انعام کیے ہیں انہیں یاد کرو، کیا اللہ کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے جو تمھیں آسمانوں اور زمین سے روزی پہنچائے؟ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟''

مزید ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝﴾ [سورہ نحل:۷۳]

یعنی: ''اور وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین سے انہیں کچھ بھی روزی نہیں دے سکتے اور نہ ہی کچھ طاقت رکھتے ہیں۔''

ایک اور مقام پر اٹل فیصلہ فرمایا:

﴿أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ بَلْ لَجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ۝﴾ [سورہ ملک:۲۱]

یعنی: ''اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی روک لے تو بتاؤ کہ کون ہے جو پھر تمھیں رزق دے گا؟ بلکہ وہ تو سرکشی اور بدکنے پر اڑ گئے ہیں۔''

عمل : اولاد کے لیے صالح ماحول کے انتخاب میں

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نقطۂ نظر

آج جب کہ ہمارا تعلیمی نظام مغربی تہذیب کا گہوارہ بن چکا ہے۔جس میں اسلامی تعلیمات برائے نام بلکہ مفقود ہو کر رہ گئی ہیں۔مزید حکومت کی تعلیمی پالیسیاں مستقبل میں بڑی خطرناک نظر آتی ہیں۔اس نازک وقت میں سیرت ابراہیم علیہ السلام اس بات کی متقاضی ہے کہ اولاد کے لیے مساجد اور دینی درس گاہوں کا ماحول تلاش کیا جائے اور گھروں میں دینی ماحول دیا جائے۔سیرت ابراہیم علیہ السلام ہمیں واضح سبق دیتی ہے کہ جو شخص اپنی اولاد کو صالح بنانا چاہے اسے چاہیے کہ اپنی اولاد کو ایسے ماحول میں ہرگز نہ بسائے جہاں فساد، بداخلاقی، خفگی، فسق و فجور، شرک و بدعت اور شر غالب ہو۔ بلکہ وہاں بسائیں جہاں صحیح العقیدہ لوگوں کی مساجد اور سلفی ادارے بکثرت ہوں تا کہ اولاد کی تربیت اسلامی اصولوں پر ہو سکے۔

عمل : اپنی اولاد کو دعاؤں میں نہ بھولیں

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض اوقات والدین اپنی طرف سے پوری کوشش کرتے ہیں کہ اولاد نیک بن جائے۔ان کی تعلیم کے لیے انہیں مساجد و مدارس میں بھیجتے ہیں، اخراجات برداشت کرتے ہیں مگر پھر بھی کامیابی نہیں ہوتی۔ان حالات میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کو نمونہ بناتے ہوئے اولاد کے لیے نیک تمناؤں میں کامیابی کی بکثرت دعا کرنا، کامیابی کی شاہراہ پر گامزن ہونا ہے۔

والدین کی دعائیں اولاد کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں اور ان کا اثر تا دیر رہتا ہے، اس لیے والدین کو اولاد کی ہر قسم کی بہتری کے لیے دعائیں کرنا چاہییں۔حتی کہ دین کے ساتھ ساتھ دنیاوی اسباب مال و دولت اور رزق کی فراخی کے لیے بھی

دعائیں کرنی چاہییں۔ مگر ایسی دعائیں کرتے وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے حسین نظریہ کا خیال رکھنا چاہیے۔ وہ یہ کہ یا اللہ! ''ہماری اولاد کو اس لیے رزق نہ دے کہ وہ تیری یاد سے غافل ہو جائیں اور وہ رزق ان کے لیے وبالِ آخرت بن جائے بلکہ اس لیے رزق دے کہ وہ فقر کی وجہ سے پیدا ہونے والی تیری ناشکری کے خطرات سے محفوظ رہیں، رزق کی فراخی پر تیرے شکر گزار بندے بن جائیں اور معاش کی فکر سے آزاد ہو کر تیرے دین کی ہی سربلندی کے لیے سرگرمِ عمل رہ سکیں''۔

آپ علیہ السلام نے یہی دعا فرمائی:

﴿وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۝﴾ [سورہ ابراھیم: ۳۷]

یعنی: ''یا اللہ! انہیں پھلوں سے رزق دے تاکہ وہ تیرے شکر گزار بنے رہیں''

....

یہ دعائیں کرتے ہوئے آپ علیہ السلام واپس لوٹے، ہاجرہ علیہا السلام پانی اور کھجوریں کھاتی رہیں، اور بچے کو دودھ پلاتی رہیں، جب پانی اور کھجوریں ختم ہو گئیں تو ماں بیٹا کو پیاس لگی، پانی کی تلاش میں قریبی پہاڑی صفا پر چڑھ کر دیکھا تاکہ کوئی آدمی نظر آ جائے لیکن کوئی آدمی نظر نہ آیا، پھر دوڑ کر مروہ پہاڑی پر آئیں، کوئی انسان نظر نہ آیا، اسی طرح حیرانی و پریشانی میں سات چکر لگائے، اچانک دیکھا کہ جبرائیل امین کھڑے تھے، آپ علیہا السلام سے مخاطب ہوئے کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا: ابراہیم کے بیٹے اسماعیل کی ماں ہوں۔ جبرائیل امین نے پوچھا کہ وہ یہاں آپ کو کس کے سپرد کر گئے ہیں، جواب دیا کہ اللہ کے، تو جبرائیل امین نے فرمایا: پھر اللہ تم دونوں کو کافی ہے، پھر جبرئیل امین نے اپنی ایڑھی یا پر مارا اور زمین کھود ڈالی جس سے پانی نکل آیا، سیدہ ہاجرہ علیہا السلام اپنے ہاتھوں سے اس کے گرد منڈیر بنا رہی تھیں اور عبرانی زبان میں فرما رہی تھیں: '' زم زم'' یعنی رک جا رک جا، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالی ام اسماعیل پر رحم فرمائے، اگر وہ زم زم کو اپنی حالت پر چھوڑ دیتی تو وہ

ایک بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔'' ❶

جب پانی عام ہو گیا تو قبیلہ بنو جرہم بھی یہاں آ کر آباد ہو گیا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی وقتاً فوقتاً ان کی خبر گیری کیلئے آیا کرتے تھے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی آزمائشوں، قربانیوں اور اطاعتوں کی لازوال داستان

آزمائش کا اختتام نہیں بلکہ ابھی تو ابتداء ہے، جو بچہ ساری عمر کی مناجات کا نتیجہ، آنکھوں کی ٹھنڈک، بڑھاپے کا سہارا...... ابھی انگلی پکڑ کر چلنے کے قابل ہوا تھا، ماں باپ کا اکلوتا چشم و چراغ اور میٹھی میٹھی باتیں کرنے والا ہے، ایسی آزمائش آتی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ بھی اس کو عظیم آزمائش فرما رہا ہے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو خواب کے ذریعے اسی بچے کی قربانی دینے کا حکم ملتا ہے تو فوراً سر تسلیم خم کرتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ○ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ○ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ○ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ○ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ○ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ○ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ○ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ○ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ○﴾ [سورہ صافات: ۱۰۲تا۱۱۱]

یعنی: ''جب وہ (بچہ) اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ چلے پھرے تو اس نے کہا: '' اے میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتا دیکھ رہا ہوں، اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے''؟ بیٹے نے جواب دیا:

---

❶ (صحیح بخاری: کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿واتخذ اللہ ابراهیم خلیلا﴾ حدیث: ۳۳۶۴، ۳۳۶۵)

"اے ابا جان! جو حکم ہوا ہے اسے بجا لائیے، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے" جب دونوں مطیع ہو گئے اور اس (باپ) نے اس کو پیشانی کے بل لیٹا دیا تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، بیشک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزاء دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک کھلا امتحان تھا اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا اور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا، ابراہیم پر سلام ہو، ہم نیکوکاروں کو اسی طرح جزاء دیتے ہیں، بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھا۔"

عمل: نیکی کے کاموں میں اولاد سے مشاورت

یہ بات تو درست ہے کہ والد سرپرست ہونے کی حیثیت سے تمام معاملات میں بااختیار ہے مگر اپنی اولاد پر ہمیشہ جبراً حکم تسلط کرتے رہنا حکمت سے خالی عمل ہے۔ دنیاوی امور میں بھی اولاد سے مشورہ کرنا انکی حوصلہ افزائی اور باپ بیٹا کی ذہنی ہم آہنگی کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے نیز انسان غلطیوں کے امکانات سے بھی بچ نکلتا ہے جبکہ دینی امور میں اولاد سے مشورہ کرنا تو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی کا راز ہے کیونکہ اس طرح اولاد بھی نیکیاں اور ثواب سمیٹنے میں شامل ہو جاتی ہے، یہی حکمت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مدنظر رکھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اسماعیل علیہ السلام کو میرے رستہ میں ذبح کر دیں تو آپ علیہ السلام نے بیٹے سے مشورہ لیا تاکہ بیٹا بھی اقرار کر کے اتنے عظیم نیک عمل کے ثواب میں شریک ہو جائے۔

....

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

مکہ مکرمہ میں رب تعالیٰ کے بیت عتیق کے نشانات موجود تھے، اس کی تعمیر نو کیلئے

رب کائنات نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اسماعیل علیہ السلام کو یہاں بساؤ، اب وقت آ گیا تھا کہ بیت اللہ کو از سر نو تعمیر کیا جائے، کیونکہ اسماعیل جوان ہو چکے تھے اور لوگوں کی ایک مناسب تعداد وہاں آباد ہو چکی تھی، جنہیں ایک عبادت خانے کی اشد ضرورت تھی، لہٰذا اللہ رب العزت نے فرمایا: اے ابراہیم علیہ السلام: میرے گھر کعبہ کو نئے سرے سے تعمیر کرو، اپنے رب کے حکم کی بجا آوری کے لئے آپ علیہ السلام اپنے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر اللہ تعالی کا گھر بناتے ہیں، پھر عاجزی کے ساتھ اس کی قبولیت کی دعا کرتے ہیں، قرآن کریم نے خوب منظر کشی کی ہے:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾ [سورہ بقرۃ: ۱۲۷ تا ۱۲۹]

یعنی: ''ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے جا رہے تھے اور یہ دعا کرتے جا رہے تھے:'' اے ہمارے پروردگا! تو ہم سے قبول فرما، تو ہی تو سننے والا جاننے والا ہے، اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لے اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو اپنا اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، تو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے، اے ہمارے رب! ان میں ایک رسول بھیج، جو انہیں میں سے ہو، جو ان پر تیری آیتیں پڑھے، انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کر دے، یقیناً تو غلبے اور حکمت والا ہے۔''

عمل: اولاد کو نیکی کے کاموں میں شامل کرنا

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کا یہ پہلو ہمیں سبق دیتا ہے کہ اولاد کو نیک بنانے کے

خواہش مند احباب اپنی اولاد کو نیکی کے کاموں میں اپنے ساتھ شریک رکھیں تاکہ وہ بھی نیکیوں کی طرف راغب ہو سکیں یہاں تک کہ نیک عمل ان کی فطرتِ ثانیہ بن جائیں۔مثلاً نماز کے لیے آئیں تو بچوں کو بھی ساتھ لائیں تاکہ وہ مساجد کے ساتھ وابستہ رہیں، ان کے ہاتھوں صدقہ کروائیں اور اسی طرح باقی امور خیر۔

لمحہ فکریہ ہے ان والدین کے لیے جو خود تو نیکی میں مشغول ہوتے ہیں مگر اپنی اولاد کو اپنے ساتھ شریک کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔جبکہ کاروباری معاملات میں انہیں اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے نورِ چشم کا منطقی انجام گمراہی اور خسارۂ آخرت بن جاتا ہے۔

....

کتنے ہی امتحان تھے، جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پاس کیے، کیسی وفائیں تھیں، ادائیں تھیں اور دعائیں تھیں، اب رب تعالیٰ کی نوازشوں کا وقت آتا ہے، اللہ تعالیٰ دنیا جہان کی امامت نصیب فرماتے ہیں، اللہ کے گھر کو بنا کر جہاں دو رکعت پڑھیں، اس مقام کو رہتی دنیا تک کیلئے جائے نماز بنا دیا جاتا ہے، آپ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ لوگوں کو بیت اللہ کے حج کی دعوت دیں تو صحراء میں کیے گئے اس اعلان کو دوام بخشتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے حج کو فرض قرار دیا، اسی پر بس نہیں بلکہ آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے مقدس گھرانے کی ایک ایک اداء کو شعائر اللہ بنا دیا جاتا ہے۔بقول شخصے:

چاہتے تو سب ہیں ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے پیدا تو کریں ویسا ہی قلب سلیم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ○ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤی

اِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ○ وَإِذْ قَالَ اِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○﴾ [سورہ بقرہ: ۱۲۴ تا ۱۲۶]

یعنی: ''جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے کئی امتحانوں میں آزمایا تو انہوں نے انہیں پورا کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں'' عرض کرنے لگے: اور میری اولاد میں سے بھی' فرمایا: میرا وعدہ ظالموں سے نہیں۔ ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کیلئے ثواب اور امن وامان کی جگہ بنایا، تم مقام ابراہیم کو جائے نماز مقرر کرلو، ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کیلئے پاک صاف کرو۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے ہمارے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا، یہاں کے باشندوں کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں، پھلوں کی روزیاں دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا، پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کروں گا اور یہ لوٹ کی جانے کی بڑی بری جگہ ہے۔''

عمل: مسجدوں کی صفائی سیرت ابراہیم علیہ السلام کا عملی پہلو ہے

مساجد کی صفائی رکھنا پیغمبرانہ منصب ہے اور ان کی صفائی ستھرائی کے درجات بہت ہیں، یاد رہے کہ صفائی سے مراد ظاہری صفائی ہی نہیں بلکہ شرک و بدعات اور معصیت کی صفائی بھی مراد ہے یعنی وہاں شرک کو جگہ نہ دی جائے، شرک کا کوئی کام نہ ہونے دیا جائے، اور وہاں صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور کسی دوسرے کی عبادت نہ کی جائے، کیونکہ کہ اللہ عالی فرماتے ہیں:

﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۝﴾ [سورہ جن: ۱۸]

یعنی: ''مسجدیں اللہ تعالی کے گھر ہیں، لہٰذا تم اللہ کے علاوہ کسی کو ان میں نہ پکارو''

؎ مساجد گھر خدا کے ہیں پکارو ایک اللہ کو
عبادت اور دعاؤں میں چھوڑو شراکت غیروں کی

مساجد کی صفائی کے جو احکامات رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں چند ایک حاضر خدمت ہیں۔

((عَنْ انسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْبُصَاقُ فِی الْمَسْجِدِ خَطِیْئَةٌ وَ کَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا)) ❶

ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کر دینا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ فِیْ غَزْوَةِ خَیْبَرَ مَنْ اَکَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ یَعْنِیْ الثُّوْمَ فَلَا یَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا)) ❷

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے غزوہ خیبر کے موقع پر فرمایا کہ جو اس درخت یعنی لہسن کو کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب تک نہ آئے۔

((عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِی الدُّوْرِ وَ اَنْ تُنَظَّفَ وَ تُطَیَّبَ)) ❸

---

❶ صحیح بخاری: کتاب الصلوٰۃ، باب کفارۃ البزاق فی المسجد، حدیث:٤١٥، صحیح مسلم: کتاب المساجد، باب النهی عن البصاق فی المساجد، حدیث:٥٥٢

❷ صحیح بخاری: کتاب الآذان، باب ما جاء فی الثوم، حدیث: ٨٥٣، ٨٥٦، صحیح مسلم: باب المساجد، باب النهی من اکل ثوما او بصلا، حدیث: ٥٦١

❸ ابو داود: کتاب الصلوٰۃ، باب اتخاذ المساجد فی الدور، حدیث:٤٥٥، ترمذی: کتاب الصلوٰۃ، باب ما ذکر فی تطیب المساجد، حدیث:٥٩٤تا٥٩٦، صحیح ابن ماجه: ابواب المساجد، باب تطهیر المساجد و تطیبها، حدیث:٧٥٨تا٧٥٦

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' محلوں میں مساجد بنائی جائیں اور ان کو صاف ستھرا رکھا جائے اور انہیں خوشبو لگائی جائے۔

....

ان آبادیوں کے بعد حکم ہوا کہ لوگوں کو حج کا عام اعلان کیا جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ ذَٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۝ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝ ذَٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ۝ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝﴾ [سورہ حج: ۲۶ تا ۳۴]

یعنی: ''جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کیلئے کعبہ کی جگہ مقرر کر دی، اس شرط پر کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف، قیام، رکوع اور سجود

کرنے والوں کیلئے پاک صاف رکھنا اور لوگوں میں حج کی منادی کر دے لوگ تیرے پاس پیدل بھی آئیں اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی دور دراز کی راہوں سے اپنے فائدے حاصل کرنے کو آجائیں گے اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں پس تم خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ، پھر وہ اپنی میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اللہ تعالی کے قدیم گھر کا طواف کریں، بات یہ ہے کہ جو کوئی بھی اللہ تعالی کی حرمتوں کی تعظیم کرے، اس کے لئے اس کے رب کے پاس بہتری ہے اور تمہارے لئے چوپائے جانور حلال کر دیئے گئے ہیں، علاوہ ان کے جو تمہارے سامنے بیان کر دیئے گئے، پس تمہیں بتوں کی گندگی سے بچتے رہنا چاہئے اور جھوٹی بات سے پرہیز کرنا چاہئے، اللہ کی توحید کو مانتے ہوئے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے۔ اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا، اب یا تو اسے پرندے اچک کر لے جائیں گے یا ہوا کسی دور دراز کی جگہ پھینک دے گی۔ یہ بات تو یہاں رہی، اور جو اللہ کی نشانیوں کی عزت کرے یہ اس کے دل کی پرہیز گاری کی وجہ سے ہے، ان میں تمہارے لئے مقررہ وقت تک فائدہ ہے، پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ خانہ کعبہ ہے اور ہر امت کیلئے ہم نے قربانی کا طریقہ مقرر فرمایا ہے تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ تعالی کا نام لیں جو اللہ تعالی نے انہیں دے رکھے ہیں، بس سمجھ لو کہ تمہارا سب کا معبودِ برحق صرف ایک اللہ ہی ہے، تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ، عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔"

چنانچہ اللہ تعالی کی طرف سے حج کی فرضیت کا حکم صادر ہوتا ہے:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ۝ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ

حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَّمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ [سورہ آل عمران: ۹۶، ۹۷]

یعنی: ''بیشک اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کیلئے بنایا گیا تھا وہی ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے، جو تمام دنیا کیلئے برکت وہدایت والا ہے، جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیم ہے، جو بھی اس میں آ جائے وہ امن وامان والا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی راہ پا سکتے ہیں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تعالیٰ تمام دنیا سے بے پرواہ ہے۔''

ولادتِ اسحاق علیہ السلام کی نویدِ سعید

سیدہ سارہ علیہا السلام بھی یاس وامید میں کھوئی ہوئی بچے کی پیدائش کے خواب دیکھ رہی ہیں، ادھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام تقریباً سو برس کو پہنچ چکے ہیں اور جسمانی طور پر بھی کمزور ہو چکے ہیں۔

جب اسماعیل علیہ السلام کی قربانی سے دریغ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری آن پہنچتی ہے، ادھر سدوم میں سیدنا لوط علیہ السلام قوم پر ہر ممکن طریقے سے تبلیغ کے ہنر آزما چکے ہیں، قوم شرک کے ساتھ ساتھ اغلام بازی جیسے قبیح اور کبیرہ گناہ میں ایسی بری طرح رچ چکی ہے کہ رب کا خوف ان کے قریب تک نہیں پھٹکتا، بالآخر دنیا وآخرت میں عذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں، چنانچہ جو فرشتے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں سیدنا اسحٰق علیہ السلام کی خوشخبری لاتے ہیں وہی فرشتے وہاں سے آگے سیدنا لوط علیہ السلام کے پاس قوم کیلئے آزمائش بن کر خوبصورت بچوں کی شکل میں جاتے ہیں۔

اس لئے اسحٰق علیہ السلام کی خوشخبری اور قوم لوط کی تباہی کا واقعہ دونوں ایک ساتھ قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں اور یہ تین سورتوں (ہود، حجر اور ذاریات) میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔

چنانچہ سورۂ ذاریات میں اس واقعہ کی ابتداء کرتے وقت فرمایا:

﴿هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ۝﴾ [سورہ ذاریات: ۲۴]

یعنی: ''کیا آپ کے پاس ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی بات پہنچی ہے''؟

اور سورۂ حجر میں ان الفاظ سے اس واقعہ کی ابتداء ہوتی ہے:

﴿وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ۝﴾ [سورہ حجر: ۵۱]

یعنی: ''ان کو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر سنا دو''

اور سورۂ ہود میں فرمایا گیا:

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ۝ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً۝﴾ [سورہ ہود: ۶۹، ۷۰]

یعنی: ''ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر آئے اور سلام کہا آپ علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا اور بغیر کسی تاخیر کے بھونا ہوا (موٹا) بچھڑا لے آئے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ تو اس کی طرف نہیں پہنچتے (یعنی وہ کھانا نہیں کھا رہے) تو ان سے اجنبیت محسوس کر کے دل ہی دل میں ان سے ڈرنے لگے''

عمل: مہمان نوازی کا ایمان جذبہ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کا یہ پہلو اس بات کا متقاضی ہے کہ مہمان نوازی میں تساہل سے کام نہ لیا جائے، بلکہ حسب استطاعت نیکی کے جذبے سے مہمانی کا حق ادا کرنا چاہیے، جبکہ آج ہم اس سعادت سے محروم رہنے کی کوشش کرتے ہیں، مہمان کے آنے پر اول تو ہم چھپنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر چارو ناچار پھنس جائیں تو پوچھتے ہیں کہ ٹھنڈا پیو گے یا گرم؟ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ساتھ ہی پوچھ لیتے ہیں کہ واپس کب جاؤ گے اور کبھی ایسے بھی داد مہمانی لی جاتی ہے کہ بھائی کھانے کے بعد چائے کی

تو ضرورت نہیں ہے نا؟ وہ مہمان بیچارہ جواب میں نہیں ہی کہتا ہے اور تعجب یہ کہ ہم مجبوراً کھانا کھلا بیٹھیں تو بھی یہ نہیں کہتے کہ چلو اللہ اجر دیگا، بلکہ بسا اوقات گھر میں تبصرہ وتنقید شروع ہو جاتی ہے اور مہمان کی غیبت کی جاتی ہے۔ نیز ہم اپنے واقف کار کو ہی مہمان مانتے ہیں ناواقف انسان کی تو بالکل ضیافت کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے، جبکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام فرشتوں کو ناواقف انسان جاننے کے باوجود، اتنی پرتکلف مہمانی کر رہے ہیں، وہ الگ بات ہے کہ وہ فرشتے نکلے جنہوں نے کچھ بھی نہ کھایا:

....

قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان سے پوچھ بھی لیا:

﴿فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۝﴾ [سورہ ذاریات: ۲۷]

یعنی: ''کھانا انکے قریب کیا اور کہا کہ کیوں نہیں کھاتے۔''

سیدنا خلیل علیہ السلام نے دیکھا کہ ابھی بھی کھانا نہیں کھا رہے ہے، تو کہا:

﴿قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ۝ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ۝ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ۝ قَالُوا بَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَانِطِينَ ۝ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ۝ إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ۝﴾ [سورہ حجر: ۵۲ تا ۶۰]

یعنی: ''آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''ہمیں تم سے ڈر لگ رہا ہے''۔ انہوں نے کہا: ''ڈرو نہیں، ہم تمہیں ایک صاحب علم فرزند کی بشارت دیتے ہیں'' آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا اس بڑھاپے کے آجانے کے بعد تم مجھے خوشخبری دیتے ہو؟ تم یہ خوشخبری کیسے دے رہے ہو''؟ انہوں نے کہا: ''ہم آپ کو بالکل سچی خوشخبری سناتے ہیں، آپ مایوس نہ ہوں'' آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''رب کی رحمت سے تو

صرف گمراہ اور بھٹکے ہوئے لوگ ہی ناامید ہوتے ہیں، آپ علیہ السلام نے پوچھا: اے فرشتو! تمہارا ایسا کیا اہم کام ہے"؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں، مگر خاندان لوط علیہ السلام کہ ہم ان سب کو ضرور بچا لیں گے، سوائے لوط علیہ السلام کی بیوی کے کہ ہم نے اسے پیچھے رہ جانے والوں میں مقرر کر دیا ہے۔"

اس جواب کو سورۂ ذاریات میں قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے:

﴿لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ۝﴾

[سورہ ذاریات: ۳۳، ۳۴]

یعنی: "ہم اس لئے بھیجے گئے ہیں تا کہ ہم ان پر مٹی کے کنکر برسائیں، یہ تیرے رب کی طرف سے حد سے بڑھ جانے والوں کیلئے نشان زدہ ہیں۔

اس قوم کی تباہی کا وقت سر پر آ چکا ہے، ان کی بے پناہ غفلت پر سیدہ سارہ علیہا السلام، ہنس پڑھیں:

﴿وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَاءِ إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ ۝﴾ [سورہ ہود: ۷۱]

یعنی: "آپ علیہ السلام کی بیوی، جو کہ کھڑی تھیں، ہنس پڑیں، ہم نے اس کو اسحٰق بیٹے اور پھر اس کی اولاد سے یعقوب کی بشارت سنا دی"

بڑھاپے میں اس ناممکن کام کی خبر سن کر حیرت زدہ ہو گئیں:

﴿فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ۝﴾

[سورہ ذاریات: ۲۹]

یعنی: "وہ آگے بڑھیں اور حیرت میں آ کر اپنے چہرے پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں تو بوڑھی بانجھ ہوں"

سورۂ ہود میں اس کا فرشتوں سے مزید کلام یوں ہے:

﴿قَالَتْ يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ۝﴾ [سورہ ھود: ۷۲، ۷۳]

یعنی: ''وہ کہنے لگی: ''ہائے میری کم بختی میرے ہاں اولاد کیسے ہو سکتی ہے، میں خود بڑھیا ہوں اور میرے خاوند بھی بہت بوڑھے ہو چکے ہیں، یہ تو یقیناً بڑی عجیب بات ہے''۔ فرشتوں نے کہا: ''کیا آپ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تعجب کر رہی ہیں، اے گھر والو! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، بیشک اللہ تعالیٰ حمد و ثناء کا سزاوار اور بڑی شان والا ہے''

عمل: ہمیشہ رحمت الٰہی سے پر امید رہنا چاہیے

سیرتِ ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے معلوم ہوا کہ رب کی رحمت سے مایوس ہونا گمراہی ہے، بلکہ کفر ہے، رب تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا انکار ہے۔ مزید براں لوگوں پر امیدیں وابستہ رکھنا، انکی رحمت کا اعتقاد رکھنا شرک بھی ہے۔ آج کتنے ہی لوگ ہیں کہ مخلوق میں سے بعض اولیاء یا پیروں وغیرہ پر مکمل بھروسہ اور ان کی رحمت کی امیدیں رکھتے ہیں۔ مگر ربِ کبریا کی لامحدود رحمت پر نہ ہی قناعت ہے اور نہ ہی بھروسہ۔ یہ لوگ صریح شرک کر رہے ہیں۔

غیروں سے تجھ کو امیدیں رب سے نا امیدی
بتا تو سہی .... اور کافری کیا ہے

کیا انہیں رب کی رحمت کم نظر آتی ہے؟ وہ اللہ جو علی الاعلان فرما رہا ہے۔

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝﴾ [سورہ زمر: ۵۳]

یعنی: ''فرما دیں کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، اللہ یقیناً سارے ہی گناہ معاف کر دیتا

ہے کیونکہ وہ تو غفور و رحیم ہے''۔

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾ [سورہ اعراف:۱۵۶]

یعنی:''میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔''

اب بھلا اس شخص کی گمراہی اور مشرک ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت پر قناعت نہیں کرتا اور غیروں کی رحمت کی امیدیں اپنے لیے کافی سمجھتا ہے۔ جن کے پاس رحمت کے خزانوں میں سے کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ﴾ [سورہ ص:۹]

یعنی:''کیا ان کے پاس تیرے غالب، سب کچھ دینے والے رب کے خزانے ہیں۔؟''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾ [سورہ اسرآء:۱۰۰]

یعنی:''آپ فرما دیں! کہ اگر تمہارے پاس میرے رب کی رحمت کے خزانے بھی ہوتے تو تم ان کے ختم ہو جانے کے ڈر سے انہیں روک روک کر رکھتے''

معلوم ہوا کہ کسی کے پاس بھی رحمت کے خزانے نہیں ہیں اگر ہوتے تو بھی کوئی کسی کو نہ دیتا۔ مگر وہ اللہ جس کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے اور خود آوازیں دے دے کر بلا رہا ہے کہ میری رحمت سمیٹ لو، میری رحمت سے مایوس نہ ہو۔ پھر بھی اس کی رحمت پر توکل نہ کرنا غیروں کے در سے رحمتیں حاصل کرنے کی امیدیں رکھنا گمراہی اور شرک نہیں تو اور کیا ہے؟

یہی تقاضا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پر زور الفاظ کا ہے کہ صرف اللہ سے ہی رحمتوں

کی امید لگائی جائے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ﴾ [سورہ حجر: ۵۶]

یعنی: ''اپنے رب کی رحمت سے گمراہ لوگ ہی مایوس ہو سکتے ہیں۔''

سچ پوچھیے! جب یاس و امید کے گہرے بادل چھا جائیں اور رجاء و امید کی کوئی کرن نظر نہ آتی ہو، تو رحمتِ خداوندی ایک صادق مومن اور کامل مسلمان کے لیے بہترین سہارا ہوتی ہے۔ ساری خدائی مایوس ہو جائے، بھلا وہ کب مایوس ہونے لگا۔؟

عمل: علم غائب صرف اللہ کے پاس ہے

مذکورہ بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر آپ علیہ السلام علم غیب جانتے ہوتے تو بچھڑا بھون کر نہ لاتے، بلکہ پتہ ہوتا کہ یہ تو فرشتے ہیں۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ کوئی نوری اگر انسانی شکل میں آ بھی جائے تو بھی وہ کھانا پینا اور دیگر تمام بشری صفات سے بالاتر ہوتا ہے، اگر آپ علیہ السلام کو علم ہوتا تو فرشتوں کو یہ بتانے کی ضرورت ہی نہ رہتی کہ ہم فرشتے ہیں اور قوم لوط علیہ السلام کی طرف آئے ہیں۔ اور ہم آپ کو بچے کی خوشخبری دیتے ہیں، کیونکہ خوشخبری تو اسے دی جاتی ہے جسے پہلے علم نہ ہو۔ اسی طرح اگر آپ علیہ السلام کو علم ہوتا کہ میرا بیٹا اسماعیل علیہ السلام ذبح ہی نہ ہوگا بلکہ اس کی جگہ دنبہ آ جائے گا تو پھر یہ آزمائش آزمائش ہی نہ رہتی۔ بلکہ یہ تو ایک مذاق ہو جاتا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ درخشاں بابِ سیرت بے معنی سا لگنے لگتا۔

....

اب ابراہیم علیہ السلام کا ڈر اور خوف جاتا رہا تو سیدنا لوط علیہ السلام کی قوم کی خیر خواہی آپ علیہ السلام کو بے کل کرتی ہے، بڑی تڑپ سے بات کرتے ہیں، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝﴾

[سورۃ ھود: ۷۴ تا ۷۶]

یعنی: ''جب ابراہیم علیہ السلام کا خوف اور ڈر جاتا رہا اور خوشخبری بھی اس کے پاس پہنچ چکی تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں کہنے سننے لگا، یقیناً ابراہیم علیہ السلام بہت ہی تحمل والے نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والے تھے، اے ابراہیم! اس خیال کو چھوڑ دیجئے، آپ کے رب کا حکم آ پہنچا ہے اور ان پر نہ ٹالا جانے والا عذاب ضرور آکر رہے گا''

اس کے بعد جو کچھ قوم لوط کے ساتھ ہوا، اس کی تفصیل بیان کرنا یہاں مقصود نہیں حسب ضرورت سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں پڑھ سکتے ہیں۔

سیدنا اسحٰق علیہ السلام کو آپ علیہ السلام نے اپنے ہاں حبرون میں ہی رکھا، وہیں اس کی اولاد ہوئی اور ان سے یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے، دونوں کو نبوت ملی اور یعقوب علیہ السلام سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے بنے۔

عمل: عقیدے کی لطیف بات

سیرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلقہ مذکورہ بالا آیات کے حوالہ سے فرشتوں پر ایمان یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق مانا جائے اور ایمان یہ ہونا چاہیے کہ یہ نوری مخلوق کھانے پینے اور شادی بیاہ کے محتاج نہیں ہوتے، خواہ وہ انسانی لبادے میں بھی آجائیں، فرشتوں پر ایمان کے لحاظ سے یہ بات بھی یاد رہے کہ جو انسان دنیا میں رہے بسے کھائے پیئے، نوری نہیں ہو سکتا، لہٰذا کسی نبی کے متعلق یہ کہنا کہ فلاں ہے تو نوری مگر آیا انسانی لبادے میں ہے یہ نہ صرف فرشتوں پر ایمان لانے کے منافی ہے بلکہ ایک بشر کی بشریت سے بھی انکار ہے، اسی طرح فرشتوں پر ایمان کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ اختیارات سے لاچار اللہ کے حکم کے پابند اور تابع ہیں اس کی نافرمانی نہیں کرتے جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اصرار کے باوجود انہوں نے کہا:

﴿ يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ

عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝ ﴾ [سورہ ھود:۷۶]

اسی طرح یہ بھی ایمان ہونا چاہیے کہ فرشتے علم غیب نہیں جانتے ورنہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام بچھڑا ذبح کرنے کے لیے گھر جا رہے تھے تو فرشتے انہیں منع کر دیتے۔

....

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مناقبِ عالیہ

انبیاء ورسل علیہم السلام کی سیرت کامل واکمل اور لازوال وبے مثال ہوا کرتی ہے، یہ معصوم عن الخطأ نفوس قدسیہ ہوا کرتے ہیں، ادباء، خطباء، واعظین، مقررین، مصنفین اور صحافی حضرات ان کی سیرت کما حقہ اداء کرنے سے قاصر ہوتے ہیں، اس لئے کہ ان کے اقوال وافعال، حرکات وسکنات، ادائیں، وفائیں اور دعائیں، شریعت الٰہی کا عکس ہوا کرتی ہیں، اسی لئے انبیاء کی سیرت منانے کی چیز نہیں بلکہ اپنانے کی چیز ہوا کرتی ہے، لہٰذا انبیاء کی شریعت وسیرت ہی ان کے فضائل ومناقب کیلئے بس ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سیرت طیبہ کی پائندگی ودرخشندگی کا اندازہ مندرجہ ذیل امور سے لگایا جا سکتا ہے:

ان کا تذکرہ صدیاں گزر جانے کے باوجود قرآن مجید میں تفصیل سے موجود ہے، انہیں ملت حنیفی کا تاج ملا، جس ملت کے دعویدار قیامت کے دن تک آنے والے لوگ ہیں، جنہیں جہانوں کی امامت ملی، رب کی خلت ملی، جنہیں "خیر البریہ" کہا گیا، جنہیں وفادار کہا گیا، جنہیں بہت سچا کہا گیا، جن کو "امۃ قانتا" کہا گیا، جن کو دنیا اور آخرت میں بھلائی کا وارث کہا گیا اور جد الانبیاء بنایا گیا، جن کا ذکر تا قیامت بنی نوع انسان میں زندہ رکھا گیا، ان کی فضیلت پر دلالت کناں چند آیات واحادیث کا مطالعہ کر لینا ضروری ہے:

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ

اِمَامًا﴾ [سورہ بقرہ: ۱۲۴]

یعنی: ''سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو وہ پورے اترے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تجھے لوگوں کا امام بنا رہا ہوں'' [1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَّلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ○ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○ وَاٰتَيْنَاهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ○﴾ [سورہ نحل: ۱۲۰ تا ۱۲۲]

یعنی: ''بلا شبہ ابراہیم علیہ السلام پیشوا تھے، اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور یک طرفہ مخلص تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کے شکر گزار تھے، اللہ نے انہیں اپنا برگزیدہ بنا لیا اور انہیں راہِ راست سمجھا دی اور اسے دنیا میں بھی بھلائی دے دی اور آخرت میں بھی وہ نیکوکاروں میں سے ہوں گے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا○﴾ [سورہ احزاب: ۷]

---

[1] امامت کے درجے کو درجۂ نبوت سے بلند سمجھنے کا عقیدہ رکھنے والے اہل تشیع اسی آیتِ کریمہ کو اپنے دعویٰ پر حجت بناتے ہوئے کہتے ہیں:
دیکھو! سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نبوت پہلے مل چکی تھی اور اب اللہ تعالیٰ انھیں لوگوں کے لئے امام بنا رہے ہیں، لہٰذا امامت کا درجہ نبوت سے بھی بلند ہے۔
ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ سے یہ تو ثابت ہو سکتا ہے کہ نبوت اور امامت میں فرق ہے، مگر یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ امامت کا درجہ نبوت سے بلند ہے، دوسری بات یہ کہ بالاتفاق ہر نبی قوم کا امام بھی ہوتا ہے تو پھر ایک مطلق امام کی امامت ایک نبی سے کس طرح بلند ہو سکتی ہے۔
مزید برآں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے ان کی امامت کا منصب قیامت تک ان کی نسل میں جاری رہے گا، اس دعا کی روشنی میں بیت اللہ کے امام آپ علیہ السلام کی ذریت سے ہی ہیں تو پھر احباب تشیع ان کے نظریات وعقائد اور ان کی امامت سے موافقت کیوں نہیں کرتے؟

یعنی: ''اور ہم نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ عہد لیا اور اے محمد (ﷺ) آپ سے اور نوح علیہ السلام سے اور ابراہیم علیہ السلام سے اور موسی علیہ السلام سے اور عیسی بن مریم علیہ السلام سے بھی ہم نے ان سب سے بڑا پختہ عہد لیا''

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ○ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○﴾

[سورہ آل عمران: ۳۳، ۳۴]

یعنی: ''بلاشبہ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام اور آل عمران کو جہان والوں پر چن لیا، یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل میں سے ہیں اور اللہ تعالی سننے والا جاننے والا ہے۔''

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ○ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ○ وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ○﴾ [سورہ ص: ۴۵ تا ۴۷]

یعنی: ''ہمارے بندوں ابراہیم، اسحق اور یعقوب علیہم السلام کا تذکرہ بھی کیا کرو، جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے (یعنی بصیرت والے اور دین کی تائید کرنے میں بڑے قوی تھے) ہم نے انہیں ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کیلئے مخصوص کر دیا تھا، یہ سب ہمارے منتخب بہترین انسان تھے''

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ○﴾ [سورہ نساء: ۱۲۵]

یعنی: ''اور اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنا لیا''

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ○﴾ [سورہ نجم: ۳۷]

یعنی: ”اور ابراہیم علیہ السلام بڑے ہی وفادار تھے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا○﴾ [سورہ مریم: ۴۱]

یعنی: ”بلا شبہ ابراہیم علیہ السلام بہت سچے نبی تھے“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ○﴾ [سورہ توبہ: ۱۱۴]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ○﴾ [سورہ ھود: ۷۵]

یعنی: ”بیشک ابراہیم علیہ السلام بڑے ہی نرم دل، برد بار اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ○﴾ [سورہ صافات: ۱۰۸]

یعنی: ”اور ہم نے آپ علیہ السلام کا ذکر پچھلوں میں باقی چھوڑا“

قرآنی آیات کے علاوہ احادیث نبویہ میں بھی جناب ابراہیم علیہ السلام کا روح پرور تذکرہ اور ان کی عظمت و بزرگی کا ذکر بڑے ہی شرح وبسط کے ساتھ موجود ہے، ہم اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف دو احادیث مبارکہ کا اندراج کرتے ہیں:

((عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ذَاكَ اِبْرَاهِيْمُ علیہ السلام)) [1]

ترجمہ: ”سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے پوری مخلوق میں سے بہترین۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں“

[1] صحیح مسلم: کتاب الفضائل، باب من فضائل ابراهيم علیہ السلام، حدیث: ۲۳۶۹

((عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ؟فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ۔ قَالَ صلی اللہ علیہ وسلم: قُوْلُوْا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ))

یعنی: ''سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں سلام بھیجنے کی تعلیم تو دے دی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا: تم مجھ پر یوں درود پڑھا کرو:

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ)) [1]

ملت ابراہیم علیہ السلام کی پاکیزہ تعلیمات کی ایک جھلک

تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں بنیادی چیز عقیدۂ توحید کی تبلیغ و ترویج ہوتی ہے لہٰذا عقیدہ توحید میں سب انبیاء کرام کی شریعت مشترکہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝﴾ [سورہ انبیاء:۲۵]

یعنی: ''ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا سو اس کی طرف یہی وحی

---

[1] صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء، قول اللہ تعالیٰ ﴿واتخذ اللہ ابراهیم، خلیلا﴾ حدیث: ۳۳۷۰

نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔"

البتہ باقی احکام یا تعمیر انسانیت کی اخلاقی تعلیمات میں وقت اور ضرورت کے لحاظ سے معمولی معمولی فرق ضرور رہا ہے ورنہ اکثر و بیشتر مسائل میں اشتراک و یکسانیت رہی دراصل شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کے لیے اس کے رسولوں پر نازل ہوتی ہے، یہ کوئی انسانی قوانین نہیں کہ جن میں آئے روز تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور ان پر قناعت جملہ بنی نوع انسان کے بس کی بات نہیں ہے لہٰذا وہ تعلیمات جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام لے کر آئے تھے ایک جامع شریعت تھی جس کو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے برقرار رکھا گیا۔لہٰذا ہم قرآن کریم سے صحف ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے شریعت ابراہیمی کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں جس میں عقیدہ آخرت کا تصور اور توحید کا درس ملتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى ○ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰۤى ○ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ○ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ○ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ○ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ○ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ○ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ○ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ○ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ○ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ○ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ○ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ○ وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ○ وَثَمُوْدَ فَمَاۤ اَبْقٰى ○ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ○ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ○ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ○ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ○﴾ [سورہ نجم ۳۶ تا ۵۵]

یعنی: "کیا ایسے انسان کو اس کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ علیہ السلام اور وفادار ابراہیم علیہ السلام کے صحائف میں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے خود کوشش کی اور یہ کہ بیشک

اس کی کوشش عنقریب قیامت کے دن دکھائی جائے گی پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کہ آپ کے رب ہی کی طرف پہنچنا ہے اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رُلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا اور جلاتا ہے اور یہ کہ اسی نے جوڑا جوڑا پیدا کیا نطفے سے جب کہ وہ ٹپکایا جاتا ہے اور یہ کہ اسی کے ذمہ دوبارہ پیدا کرنا ہے اور یہ کہ وہی مال دار بناتا ہے اور سرمایہ دیتا ہے اور وہی شعریٰ ستارے کا رب ہے اور یہ کہ اسی نے عادِ اول کو ہلاک کیا اور ثمود کو بھی اور ان میں سے ایک بھی نہ باقی چھوڑا اور اس سے پہلے قوم نوح علیہ السلام کو ہلاک کیا یقیناً وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے اور موتفکہ شہر کو اسی نے اُلٹ دیا پھر اس پر چھا دیا جو چھا دیا پس تو اپنے رب کی کون کون سی نعمت کے بارے میں جھگڑے گا''

دیکھا! صحیفہ ابراہیم علیہ السلام میں کس حیران کن جامعیت و اختصار کے ساتھ اہم مباحث بیان کردی گئی ہیں، مثلاً انسان کا سعی و عمل اس کے اخروی نتائج اور ان پر مرتب ہونے والی جزا و سزا کا تذکرہ، مبداء و معادِ انسانیت اور درمیانی زندگی کا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں مکمل اختیار کا ہونا، اقوام گزشتہ اور ان کی بے اعتدالیوں، خدا ناشناسیوں اور ان کا صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جانا وغیرہ پرسوز اور موثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

ملت ابراہیم علیہ السلام کا اعجاز اور یہود و نصاریٰ کا ڈھونگ

یہودیت اپنے موجودہ نظریات وعقائد کے ساتھ تیسری اور چوتھی صدی قبل مسیح میں معرض وجود میں آئی اور عیسایت اپنے موجودہ مخصوص نظریات وعقائد کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماء کے بعد کی پیداوار ہے اور یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولادیں ان کی اس خانہ ساز یہودیت اور پوپ ساز عیسایت کی پیدائش تو کجا خود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام عرصہ دراز پہلے اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے تھے۔ مگر

علماء یہود و نصاریٰ نے عوام کے ذہنوں میں یہ بات پختہ کر دی کہ یہ مندرجہ بالا انبیاء کرام علیہم السلام یہود کے قول کے مطابق یہودی تھے اور نصاریٰ کے قول کے مطابق عیسائی تھے، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے علماء یہود و نصاریٰ کی اسی بددیانتی کو نہ صرف آشکارا کیا ہے بلکہ انہیں کتمان شہادت کے مجرم قرار دے کر سب سے بڑا ظالم ٹھہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ [سورہ بقرۃ: ۱۴۰]

یعنی: ''اے اہل کتاب! کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولادیں سب یہودی یا عیسائی تھے؟ بھلا تم یہ بات زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جس کے پاس اللہ کی طرف سے شہادت موجود ہو پھر وہ اسے چھپا دے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سے بے خبر نہیں ہے۔''

یہود و نصاریٰ ایک دوسرے سے بھی کھینچا تانی کرتے رہتے تھے، ہر ایک کہتا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے ہیں، یہودی کہتے کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور عیسائی کہتے کہ نہیں بلکہ وہ عیسائی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی دعوے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ اے عقل کے اندھو یہ تو صاف سی بات ہے کہ یہودی وہ ہیں جو تورات کے متبع ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور نصاریٰ وہ ہیں جو انجیل کے متبع ہونے کا دعوی کرتے ہیں، جب کہ یہ دونوں کتابیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے مدتوں بعد نازل ہوئیں، اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی کیسے ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ فرمایا:

﴿یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا

تَعۡقِلُوۡنَ ﴿﴾ [سورہ آل عمران: ۶۵ تا ۶۶]

یعنی: ''اے اہل کتاب! تم آپس میں ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل تو نازل ہی ان کے بعد ہوئی تھیں کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں؟ پھر تم وہی ہو کہ ان باتوں میں ہٹ دھرمی کرتے ہوئے جھگڑتے ہو جن کے بارے میں تمہیں علم ہے پس تم ایسی باتوں میں کیوں جھگڑتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں؟، انہیں اللہ ہی جانتا ہے۔''

یعنی ایسی باتوں میں تو تمہارا جھگڑا کرنا کسی حد تک قابل فہم ہے، جن کا تمہیں کچھ علم ہے، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو تورات اور انجیل میں بشارت دی گئی ہے وغیرہ۔ مگر حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نہ دیکھا، نہ ان کا زمانہ پایا اور نہ ہی ان کی تعلیمات سے آگاہ ہوئے، پھر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی تھے؟

یاد رکھو!

﴿مَا كَانَ إِبۡرَاهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَّمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿﴾ [سورہ آل عمران: ۶۷]

یعنی: ''سیدنا ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے بلکہ سب سے ہٹ کر اللہ ہی کا حکم ماننے والے تھے اور نہ ہی وہ مشرک تھے۔''

یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام خالصتاً اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے والے تھے، کسی طاغوتی طاقت کے آگے ہرگز نہ جھکتے، وہ خالص موحد تھے، مشرک بالکل نہیں تھے، جبکہ تم دونوں مشرک ہو، یہود عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور عیسائی، عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور تین خداؤں میں تیسرا خدا کہہ دیتے ہیں اور تم اللہ کے بھی احکام بجا نہیں لاتے، کتاب اللہ کو پس پشت ڈال رکھا ہے، جبکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ کے ایک ایک حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے تھے، تم تحریف کرتے ہو، شرک کرتے ہو، پھر کیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متبع کہلا سکتے ہو

اور وہ تمہارے دین پر کیسے ہو سکتے ہیں، اس سے بڑھ کر تمہیں تو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حسب ونسب کے لحاظ سے بھی قرابت جگانے کا کوئی حق نہیں ہے، کیونکہ تم نے اسکی لاج ہی نہیں رکھی کہ اس کے دین کے متبع بن جاؤ اور جس خدا سپردگی کی وجہ سے انہیں یہ عزت وشرف حاصل ہوا ہے، تم اس کو اپنے اندر پیدا کر سکو بلکہ ان کے قریب تر تو وہی لوگ ہیں جو عقائد واعمال کے لحاظ سے ان کے پیروکار ہیں اور انھوں نے ان کی ایک ایک ادا کو اپنایا اور ایک ایک حکم کو ماتھے کا جھومر سمجھا جو کہ سیدنا ابرہیم علیہ السلام کی طرح ہی شرک سے بیزار اور اللہ کے دشمنوں سے برسر پیکار رہے ہیں، انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ۝﴾ [سورہ آل عمران: ۶۸]

یعنی: ''بلا شبہ ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی ﷺ اور اس پر ایمان لانے والے اور اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کا حامی وناصر ہے۔''

یعنی نبی کریم ﷺ تو ابراہیم علیہ السلام کے قریب تر اس لیے تھے کہ انہوں نے ان کے دین کی اتباع کی، مگر آپ ﷺ نے یہ نہیں کہا کہ ابراہیم علیہ السلام میرے دین پر تھے، بلکہ فرمایا کہ میں ابراہیم علیہ السلام کے دین پر چل کر صراط مستقیم پا گیا ہوں۔ (واہ کیا اطاعت شعاری اور وفا کشی ہے) جبکہ تم کہتے ہو کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے یا عیسائی تھے یہ کہنا گوارہ نہیں کرتے کہ ہم ان کے اسی دین کی اتباع کر لیں جس کو محمد ﷺ لے کر آئے ہیں جنکی تصدیق ہماری کتابیں کر رہی ہیں۔ فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝﴾ [سورہ انعام: ۱۶۱]

یعنی: ''اے محمد ﷺ آپ ان سے کہ دیجیے کہ میرے پروردگار نے مجھے سیدھی راہ دکھلائی ہے یہی وہ مستحکم دین ہے جو ابراہیم علیہ السلام کا طریق زندگی تھا

اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے"

اور یہ بات نہ بھولو کہ:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ [سورہ نساء: ۱۲۵]

یعنی: "اس شخص سے کس کا دین بہتر ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے سامنے اپنا سر خم کر دیا ہو۔ اور وہ ہو بھی نیک اور اس نے ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف کی پیروی کی ہو اور ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مخلص دوست بنا لیا تھا"۔

یہود ونصاریٰ اور مشرکین مکہ سب اتنا تو ضرور جانتے تھے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے، ان کا دین سچا دین تھا، مگر پھر بھی اس دین سے انحراف کرتے تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اتنے صاف شفاف اور واضح دین سے انحراف صرف ایسا شخص ہی کر سکتا ہے، جو تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہو، ورنہ حق واضح ہے اور سچائی اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جھلملا رہی ہے کہ تمام صفات جمیلہ کا حامل دین حنیف جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے، ان کی تصدیق ان کی کتب بھی کر رہی ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○﴾

[سورہ بقرہ: ۱۳۰ تا ۱۳۲]

یعنی: "ملت ابراہیم علیہ السلام سے تو وہی نفرت کر سکتا ہے جس نے خود اپنے آپ کو احمق بنا لیا ہو بیشک ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں منتخب کر لیا اور وہ آخرت میں بھی صالح لوگوں میں سے ہونگے یقیناً جب انکے رب نے فرمایا کہ

فرمانبردار بن جاؤ تو انہوں نے فوراً کہا کہ میں جہانوں کے پروردگار کا فرمانبردار بن گیا۔اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب علیہ السلام نے بھی کہ اے میرے بیٹو! ''اللہ نے تمہارے لئے یہی دین پسند کیا ہے لہٰذا تم مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔''

خوش قسمت ہے امت محمدیہ جنہیں دین حنیف ملت ابراہیم علیہ السلام دیا گیا، اسی لئے فرمایا جارہا ہے:

﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا﴾

[سورہ حج:۷۸]

یعنی: ''یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے اسی اللہ نے تمہارا نام اس قرآن سے پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی مسلمان رکھا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝﴾

[سورہ عمران: ۹۵]

یعنی: ''پس تم ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف کی پیروی کرلو اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے''

اللہ تعالیٰ ہمیں سیرت ابراہیم علیہ السلام اپنانے اور ملت ابراہیم علیہ السلام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے تا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے امتی بن کر سچے رب کی بندگی کر کے دنیا و آخرت میں سچی کامیاب حاصل کرلیں۔آمین

❀❀❀